بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈاکٹر عبدالفتاح عبداللہ برکۃ
ترجمہ وتلخیص مولوی مختار احمد☆

نبیٔ خاتم صلی اللہ علیہ وسلم

نبوت کے سلسلۃ الذھب کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک پر اختتام پذیر ہونے کا عقیدہ اسلام کے بنیادی واساسی عقائد سے تعلق رکھتا ہے، جو ایمان وکفر کے مابین حدِ فاصل، اور حدِ امتیاز سمجھے جاتے ہیں۔علاوہ ازیں آپ کی نبوت پر ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ کو خاتمۃ النبوات تسلیم کیا جائے اور اس کے بعد جزوی یا کلی کسی صورت میں بھی نبوت کی تجدید متصور نہ مانی جائے۔خصوصاً اس لئے کہ قرآن کریم میں آپ کے ”خاتم النبیین“ ہونے کی تصریح ہے اور آپ بنفس نفیس اپنے قول وعمل سے اس کا اظہار اور بار بار اس کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔فنی لحاظ سے اس باب کی احادیث اکثر محدثین کے ہاں حدِ تواتر (تواترِ لفظی ومعنوی) کو پہنچی ہوئی ہیں۔اس کے علاوہ صدرِ اول سے عقیدۂ ختم نبوت پر امت کے ہر گروہ کا اجماع چلا آرہا ہے، لہٰذا اس عقیدے کا اسلام کے مقتضیات واساسیات میں سے ہونا اظہر من الشمس ہے۔

آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بڑے حصے میں عقیدۂ ختم نبوت کی وضاحت مختلف اسالیب ومتنوع انداز اختیار کرکے کی گئی ہے، کبھی محض اشارے پر اکتفا کیا گیا ہے تو کہیں تصریح، تنبیہ وسرزنش کے ذریعے اس عقیدے کو ذہنوں میں راسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔شارعِ اسلام کا اس عقیدے پر زور اور تاکید کی اس کیفیت کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے، سوائے اس کے کہ عقائدِ اسلامیہ کے قلعے میں کوئی شگاف رہے نہ کسی طالع آزما اور موقع پرست کو دعویٰ نبوت کی جرأت ہو، نہ کوئی کذاب و افترا پرداز سادہ لوح مسلمانوں کے ذہنوں کو تلبیس کے ذریعے مسموم کرسکے اور نہ تحریف وتاویل اور دھوکے بازی کے تیشے سے اسلام کی بنیادوں کو نشانہ بنانے میں کامیاب ہوسکے۔

علاوہ ازیں بنظرِ غائر دیکھا جائے تو ختم نبوت کا مفہوم ومعنی اسلام کی تعلیمات، افکار وہدایات

☆جامعہ فاروقیہ۔کراچی

not

کے ہر حصے و ہر جز میں پیوست نظر آتا ہے، جس کی بنا پر بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ عقیدۂ ختم نبوت کے بغیر تعلیماتِ اسلام کے کما حقہ فہم اور استفادے کی کوئی سعی بار آور نہیں ہو سکتی، ہر گام پر ٹھوکر کھانے کا اندیشہ ہے اور ہر مرحلے پر سوالات و اشکالات کا لامتناہی سلسلہ ہے۔

نصوصِ اسلامیہ (قرآن و حدیث) میں عقیدۂ ختم نبوت کے بار بار اعادے و تکرار کی غرض یہی ہے کہ امت مسلمہ ذہنی و فکری انتشار و انارکی سے محفوظ رہے اور یہ عقیدہ اس کے دل و دماغ میں راسخ ہو جائے، مرورِ زمانہ سے اس طرزِ عمل کی افادیت واضح ہو گئی ہے۔ قرنِ اول سے تا ایں دم بیسیوں دنیا پرستوں نے اس میدان کو جولان گاہ بنانا چاہا، تاہم مسلمان کتاب و سنت کی منور ہدایت سے بصیرت و بصارت اخذ کر کے ان سے نبرد آزما ہوئے اور انہیں دندان شکن جواب دیا، اور اپنے گرد اگرد غیر مرئی روحانی ہالہ بنا کر امتِ واحدہ تشکیل دی، صحیح اسلامی عقائد پر کار بند و عمل پیرا ہوئے، اور فاسد و اسلام سے متصادم عقائد کی حامل جماعت یا مسلک فکری کی حوصلہ شکنی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

نبوت و رسالت کے معنی:

نبوت ایک ایسا جلیل القدر و عظیم الشان منصب ہے، جس کے انبیا کرام علیہم السلام ہی سزاوار ہیں، وہ معصوم ہیں اور قرآن میں ذکر کردہ کسی بھی طریقے سے وحی اخذ کرتے ہیں۔

> اور کسی بشر کی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمائے مگر (تین طریقوں سے) یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے، وہ بڑا عالی شان ہے، بڑی حکمت والا ہے۔ (۱)

یہ ایسا اختصاص ہے جو خالصتاً مشیتِ ایزدی کے تابع ہے، فرد کے شخصی یا ذاتی کمالات کو اس کے حصول میں کوئی دخل ہے نہ وہ سعی و اکتساب سے اس منصب کو پا سکتا ہے اور نہ ریاضت، چلہ و نفس کشی ہی اس خلعتِ فاخرہ کے حصول کی راہ میں کچھ سود مند ہے۔ امام شہرستانیؒ کہتے ہیں کہ حصولِ نبوت کا دارو مدار نبی کی ذات پر نہیں ہے اور نہ ہی نبوت ایسا مقام ہے جس تک کوئی انسان علمی عبقریت، کسبی صلاحیت یا استعدادِ نفس کی بدولت رسائی حاصل کر سکے، یا ان صفات کی بنا پر اس میں نبوت کا استحقاق پیدا ہو۔ بلکہ یہ مرتبہ و مقام اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے کسی کو عنایت کرتے ہیں، جیسا کہ نوح علیہ السلام کے اس قول سے ظاہر ہے:

اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے تمام خزانے ہیں اور میں تمام غیب
کی باتیں جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ (۲)

خدا کا چنیدہ فرد وحی کے ذریعے جو ہدایات و احکام یا اخلاقی و معاشرتی تعلیم پاتا ہے۔ کبھی تو ان احکام و تعلیمات کی بجا آوری کا صرف وہ خود مامور رہتا ہے، یعنی تبلیغ و اشاعت کا حکم نہیں ہوتا۔ اس وقت یہ ذات نبی کہلاتی ہے اور اگر تبلیغ رسالت کی ذمہ داری بھی تفویض کی گئی ہو تو اس ذات پر نبی و رسول دونوں کا اطلاق ہوتا ہے، نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی پانے کی وجہ سے اور رسول دعوت و تبلیغ کی بنا پر۔ اس تفصیل کے مطابق رسول کے لئے نبی ہونا ضروری و شرط ہے اور نبی کے لئے رسول ہونا ضروری نہیں۔

اس طرح نبی و رسول میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے، رسول اخص مطلق ہے، یعنی ہر رسول نبی ہے، ہر نبی رسول نہیں۔ ایک قول و مذہب یہ بھی ہے کہ نبی و رسول کے مابین نسبت ترادف ہے، یعنی دونوں کا ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے، ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں۔ بنا بریں ہر نبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی ایک نئی شریعت کا حامل ہوگا۔ دریں صورت نبوت کی تشریعیہ و غیر تشریعیہ کی اقسام میں تقسیم درست نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی ضعیف الاعتقاد یہ گمان نہ کرے کہ ختم نبوت، نبوت تشریعیہ کے لئے ہے اور نبوت غیر تشریعیہ کا دروازہ کھلا ہے، چنانچہ یہ کہنے کے بعد کہ نبوت ہمیشہ تشریعیہ یعنی شریعت و تکلیف کے ساتھ ہی ہوگی، اس گمان کے امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں نبوت و رسالت کے مابین فرق و امتیاز کے لئے کہا جائے گا کہ جسے تبلیغ کا پابند نہیں بنایا گیا، وہ ''نبی غیر مرسل'' ہے اور جسے لوگوں کو دعوت و تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے، وہ ''نبی مرسل'' ہوگا

لغوی اعتبار سے:

لغت و اشتقاق کے اعتبار سے لفظ ''نبوت'' دو طرح استعمال کیا جاتا ہے: مہموز، غیر مہموز۔

مہموز ماخوذ ہے نبأ (خبر دینا) سے، دریں صورت لفظ ''نبی'' فاعل کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے اور مفعول کے بھی۔ معنی مفعول کے اعتبار سے نبی کی تعریف ہوگی: أنہ منبأ بالغیوب، یعنی اسے مغیبات اور پیش آمدہ امور سے آگاہ کیا گیا ہے۔ فاعل کی صورت میں معنی ہوگا: أنہ منبیٔ بما یطلعہ اللہ تعالیٰ علیہ کہ وہ ان امور سے لوگوں کو آگاہ کرتا ہے، جس پر اسے اللہ تعالیٰ مطلع فرماتے ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں تسہیلاً ہمزہ کا ترک بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔

govinst not

دوسرا استعمال غیر مہموز یعنی ہمزہ کے بغیر ہے۔اس صورت میں لفظ نبی ''اَلنُّبُوَۃُ'' سے مشتق ہوگا۔نَبوۃٌ کے معنی ہیں: ٹیلا، سطح زمین سے اونچی جگہ، کہا جاتا ہے: نبا الشئی، اذا ارتفع یعنی سطح زمین سے ابھر کر نمایاں ہو جائے۔ چنانچہ نبی کا معنی ہوگا وہ ذات جو بنی نوع آدم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ساتھ اختصاص کی بنا پر فوقیت رکھتی ہو۔

غیر مہموز میں دوسری لغت یہ ہے کہ ''النبی'' بمعنی راستے سے ماخوذ ہو، اس صورت میں لغوی و شرعی معنی میں مناسبت یہ ہوگی کہ نبی امتیوں کو وہ راہ دکھاتا ہے، جس کی منزل معرفتِ ربانی اور انوارِ قدسی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نبوت شرعی لغت کے تمام معانی و مطالب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔اس طرح کہ نبی بذریعۂ وحی اخبارِ غیب اخذ کرتا ہے اور عوام الناس تک ان خبروں کی ترسیل کا پابند ہوتا ہے۔ مصدر و منبعِ رسالت اور دعوت و تبلیغ کے عمل سے وہ بارگاہِ ایزدی میں تقرب اور بلند مقام پاتا ہے، لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور ان کے قلوب کو فیضانِ محبت اور انوارِ معرفت سے منور کرتا ہے۔

بنی نوع آدم میں سے جو فرد اس مرتبۂ بلند پر فائز ہوتا ہے، لوگ اس کی عزت و توقیر میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے اور وہ ان کی پرخلوص محبت، غیر مشروط اطاعت اور فروتنی سے بہرہ یاب ہوتا ہے، وہ لوگوں کا ان دیکھا حاکم ہوتا ہے، ان کے جذبات اور دل و دماغ کو مادی رنگینوں، سحر انگیز طلسم کدوں کے شکنجے سے نکال کر روحانیت کی دلفریب و دلآویز وادیوں میں لے جاتا ہے۔یہی وہ امور ہیں جن کی بنا پر بہت سے جھوٹے مدعی نبوت اس پرخار وادی میں نوردی پر کمربستہ ہوئے، ان کا مطمحِ نظر عوام پر حکومت، ان کی محبت، فریفتگی اور غیر مشروط اطاعت کا حصول تھا، مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔انہیں اس عمل میں منہ کی کھانی پڑی اور دنیا و آخرت کی رسوائی و ذلت ان کا مقدر ٹھہری۔

کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا کے بعد یہ سلسلہ نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر منتہی ہوا اور قرآن میں اس امر کی تصریح کر دی گئی۔اس طرز عمل سے شعبدہ بازوں، نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی امیدوں پر اوس پڑ گئی، اور ان کے مقاصد پورے نہ ہو سکے۔

''ختم'' کے معنی:

لغتِ عرب میں ''ختم'' کے معنی کسی چیز کا انتہا تک پہنچنا اور اس پر مہر اس طرح ثبت کرنا (سیل کرنا) ہے کہ اس میں کمی بیشی کا موہوم امکان بھی نہ رہے، اور اس کے منہ کو مضبوطی سے اس طرح ڈھانپ

not

دیتا ہے کہ اس میں کوئی چیز داخل ہو سکے نہ نکل سکے۔ ابن فارس معجم مقاییس اللغہ میں ''ختم'' کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ خا، تا، میم اصل واحد او راس کا معنی کسی شئی کا انتہا تک پہنچنا ہے۔ ''ختم'' بمعنی مہر لگانا، سیل کرنا بھی اسی باب سے ہے، کیونکہ مہر اسی چیز پر لگائی جاتی ہے جو پوری ہو جائے اور انتہا تک پہنچ جائے۔ خاتم اسی سے مشتق و ماخوذ ہے، اس لئے کہ اسی کے ذریعے مہر لگائی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ''خاتم النبیین'' ہونا باین معنی ہے کہ آپ انبیا کرام کے آخر میں مبعوث ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، **ختامه مسک**، (۳) یعنی: شراب جنت پینے کے بعد (آخر میں) جنتی مشک کی خوشبو محسوس کریں گے۔ قاموس المحیط میں ہے: **خَتَمَهُ يَخْتِمُهُ، خَتْماً و خِتَاماً طَبَعَهُ** یعنی مہر لگانا، **ختم علي قلبه، جعله لايفهم شيئاً ولا يخرج منه شي.** قلب پر ایسی بے حسی طاری کر دینا کہ فہم و شعور سے یکسر عاری ہو جائے۔ **ختم الشيئ بلغ آخره،** کسی چیز کا انتہا تک پہنچنا۔ **ختم من كل شيئي** کہتے ہیں آخر کو، خاتمہ کی طرح، خاتم اور قوم کے آخری فرد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لسان العرب میں ابو اسحاق کہتے ہیں کہ لغت عرب میں ''خَتَمَ'' اور ''طَبَعَ'' ہم معنی ہیں، یعنی کسی چیز کو ایسا ڈھانپنا اور اس کا منہ اس طرح بند کرنا کہ اس میں کچھ نہ ڈالا جا سکے۔ قرآن میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا

یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔ (۴)

اور معجم الوسیط میں ہے کہ **ختم النحل ختما و ختاماً : ملأ خليته عسلاً** شہد کی مکھی نے اپنا چھتا شہد سے بھر دیا۔ **ختم علي الشراب و الطعام و غيرهما : غطیٰ فوهة وعا ئه بطين او شمع او غيرهما حتيٰ لايد خله شيئ ولا يخرج منه شيء فهو مختوم** کھانے پینے کے برتن کا منہ مٹی یا موم وغیرہ سے بند کرنا کہ اس سے کچھ نہ نکل سکے۔ قرآن کریم میں ہے:

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ (۵)

اہل جنت کو مہر بند شراب پلائی جائے گی۔

ختم علي فمه منعه من الكلام، یعنی کلام پر قدغن لگانا، بات کرنے سے روکنا۔ **ختم الشيء اتمه' وبلغ اخره'** یعنی کسی چیز کو پورا کرنا اور اس کی انتہا تک پہنچنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے قرآن پاک میں ''خاتم'' کو ''النبیین'' کی طرف اضافت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ آیت مبارکہ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ(۶)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

''خاتم النبیین'' کا بدیہی معنی یہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ لحاظ بعثت آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اسی معنی کو قرآن کے مخاطب اول عرب سمجھے، اور یہی معنی آج تک متداول ومشہور ہے اور اس میں دو رائے نہیں۔

تفسیر جلالین میں ہے کہ ''خاتم النبیین'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا وصف ہے، جس میں ادنیٰ شائبے کی گنجائش بھی نہیں، اس کا پہلا و آخری معنی یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔ لہٰذا آپ کے اس وصف سے کمال نبوت اور افضلیت کے معنی مراد لینا ثانوی وضمنی اور پہلے معنی کے تابع ہوگا، چنانچہ خاتم النبیین سے ثانوی وتابع معنی مراد لے کر اصل ومتبوع اور لازمی معنی (یعنی آپ آخری نبی ہیں۔) ترک کر دینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ قاعدہ مشہور ہے کہ ''لازم اپنے ملزوم سے جدا نہیں ہوسکتا''۔

اس اندیشے کے امکانات کو ختم کرنے کی غرض سے کہ جھوٹے مدعیان نبوت خاتم النبیین کا دوسرا (ثانوی) معنی بیان کر کے سادہ لوح عوام کے ذہنوں کو پہلے اور اساسی معنی سے پھیر نہ دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا معنی صراحتاً بار بار، مختلف اسلوب اختیار کر کے ذکر کیا، کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رکھی کہ آپ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد نبوت کا دعویدار دجال، گمراہ، اور افتراپردازہے، اور دوسرے ثانوی معنی کا کبھی اشارتاً، وکنایتاً بھی اظہار نہیں فرمایا، مبادا کہ ضعیف الایمان دوسرے معنی پر ہی تکیہ نہ کر بیٹھیں اور یوں وہ مضبوط بند شر پسندوں کا ریلا سہار نہ سکے اور مذہب اسلام ان کا تختۂ مشق بن جائے۔

جن احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین ہونے کی تصریح فرمائی، ان میں ثوبانؓ کی روایت ہے، فرماتے ہیں:

اللہ جل شانہ نے زمین سمیٹ کر مجھے دکھائی، چنانچہ میں نے مشرق ومغرب کا مشاہدہ کیا، یہاں تک کہ فرمایا: میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے، جو بر خود غلط نبوت کا دعویٰ کریں گے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (۷)

not

حدیث شفاعت میں ابو ہریرہؓ نقل کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(احوالِ قیامت سے گھبرا کر) میرے پاس آئیں گے (آہ وزاری کرتے ہوئے) کہیں گے، اے محمد! آپ اللہ جل شانہ کے رسول اور آخری نبی ہیں، اللہ تعالیٰ آپکے سابقہ وگزشتہ گناہوں سے درگزر فرما چکا ہے، اپنے رب سے ہماری شفاعت کیجئے۔(۸)

انقطاع نبوت کے بارے میں آپ ﷺ تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ابو ہریرہؓ راوی ہیں:

بنی اسرائیل پر انبیا اکرام حکومت فرمایا کرتے تھے، جب کبھی کوئی نبی دنیا سے رحلت فرمالیتا فوراً دوسرے نبی کی بعثت عمل میں آجاتی۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں (تاہم) خلفاء ہونگے جو بڑی تعداد میں ہونگے۔(۹)

سعد بن ابی وقاصؓ روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا:

آپ میرے لئے وہی حیثیت رکھتے ہیں جو ھارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لئے رکھتے ہیں (یعنی ان کی طرح آپ میرے دست وبازو ہیں) تاہم فرق اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، باب نبوت بند ہو چکا ہے۔ (۱۰)

سعدؓ ہی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑا اور جنگ میں لے کر نہ گئے، تو انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم یہ نہیں چاہتے کہ تم میرے لئے اسی طرح ہو جس طرح ہارونؑ موسیٰؑ کے لئے تھے، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔(۱۱)

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رسالت ونبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے، لہذا میرے بعد کوئی رسول مبعوث ہوگا نہ نبی۔ راوی کہتے ہیں: حاضرین پر یہ امر نہایت گراں گزرا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن خوشخبریاں دینے والی رہیں گی۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! خوشخبریاں دینے والی کیا ہیں؟ فرمایا: مسلمان کے خواب، یہ خواب نبوت کے اجزا میں سے ایک جز ہیں۔ (۱۲)

ختم نبوت کی ذہنوں میں راسخ کرنے اور آئندہ کسی بھی زمانے اور پرفتن دور میں مسلمانوں کو

فکری و عقلی کج روی سے محفوظ و مصون رکھنے کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دے کر توضیح و تشریح کا اسلوب بھی اختیار فرمایا۔ چنانچہ ابوھریرہؓ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> میری اور انبیائے سابقین کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی شخص گھر بنائے۔ زیبائش وآرائش کے تمام اسباب بہم پہنچائے، لیکن ایک جانب ایک اینٹ نہ رکھے، لوگ اس گھر کو حیرت واستعجاب سے دیکھیں اور کہیں یہ ایک اینٹ کیوں نہ رکھی گئی (کہ حسن پورا ہو جاتا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں (یعنی میں اس سلسلہ کی انتہا اور اس حسن کا کمال ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں) (۱۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ضمن میں تنبیہی وتحذیری اسلوب میں بھی روایات منقول ہیں۔ ابوھریرہؓ کی روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> جب تک تقریباً تیس دجال، کذاب ظاہر نہ ہوں، قیامت نہیں آئے گی، ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو اللہ کا رسول گمان کرے گا۔(۱۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر تاکیداً اس امت کے آخری امت، اور مسجد نبوی کے آخری مسجد ہونے کے بارے میں فرما کر ضمناً اس امر کی وضاحت بھی فرما دی کہ آپ کی نبوت بھی آخری ہی ہے، چنانچہ ابوامامہ باھلی اپنے خطبے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دجال سے ڈرانے کے بعد نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

> اور میں آخری نبی اور تم آخری امت ہو۔(۱۵)

ابوسلمہ بن عبدالرحمان اور ابوعبداللہ اغر روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابراہیم نے کہا:

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کو روایت کرتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد آخری مسجد۔(۱۶)

پس معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت کے درمیان کوئی نبی حائل ہے نہ کسی امت کے ظہور کا امکان ہے اور نہ کوئی مسجد جس کی تعمیر نبی کے ہاتھوں عمل میں آئی ہو نہ کوئی دین الٰہی، جس سے دین اسلام منسوخ ہو۔ اس مفہوم کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جسے مغیرہ بن شعبہؓ نے روایت کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق کی خاطر برسر پیکار رہے گی، یہاں تک کہ قیامت آجائے۔(۱۷)

حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے ایک بار اپنے خطبے میں فرمایا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا ہے اللہ تعالیٰ جس سے اچھائی و بہتری کا معاملہ فرمانا چاہیں، اسے تفقہ فی الدین کی دولت سے نوازتے ہیں، میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں، عطا کرنے والا اللہ ہے، یہ امت ہمیشہ صراط مستقیم پر گامزن رہے گی یہاں تک کہ قیامت آجائے۔(۱۸)

ختم نبوت کی آیت کی تفسیر کے ذیل میں حافظ ابن کثیرؒ سابقہ اور اس مضمون کی دیگر احادیث کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اس (ختم نبوت کے) باب میں کثرت سے احادیث مروی ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اللہ تعالیٰ کی عظیم وگرانمایہ نعمت ہے، ازاں بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر سلسلۂ نبوت ختم کرکے اور دین اسلام کی تکمیل فرما کر امت مرحومہ پر احسان کا حق ادا فرما دیا۔لہٰذا قرآن و احادیث میں کثرت سے اس مضمون کی وضاحت فرما دی گئی ہے کہ آپ نبی آخر الزماں ہیں، آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا جھوٹا، مکار ہے، افتراء پرداز، ضال و مضل ہے، اگرچہ اس سے کسی خارق عادت امر کا ظہور ہو یا شعبدہ بازی سے ذہنوں کو مسحور کرکے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے۔(۱۹)

ختم نبوت اور نبوت کے غیر کسبی ہونے میں مناسبت:

سطور بالا میں گذر چکا ہے کہ نبوت کی خلعت فاخرہ سے وہی سرفراز ہوتا ہے، جسے اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں میں سے منتخب فرماتے ہیں۔یہ محض اللہ تعالیٰ کی رحمت و نعمت ہے۔نبی کی ذاتی حیثیت، شخصی وجاہت یا سعی و ریاض محرک بن سکتے ہیں نہ بشری نکتہ نگاہ و عقلی تگ و دو اس عطا کی کوئی توجیہ پیش کرسکتے ہیں۔اس قاعدے سے کوئی نبی حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مستثنیٰ نہیں، تاہم کسب و سعی، کمال فطرت، اعتدال مزاج یا اس جیسے دیگر اعلیٰ انسانی اوصاف، نبوت کا محرک و سبب بنتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں ان اوصاف و کمالات کے بدرجۂ اتم موجود ہونے کی بنا پر ممکن تھا کہ آپ کو یہ عظیم الشان منصب عطا کیا جاتا، بچپن سے لے کر جوانی اور پھر مہبط وحی بننے تک آپ کی سیرت کے مطالعے سے یہ امر واشگاف ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشریت کے اعلیٰ مقام پر متمکن تھے، اخلاق و سلوک کی پیچ در پیچ گھاٹیاں اور پر

not

خاروادیاں عبور کر چکے تھے۔ علم و حکمت، حسن تصرف اور کاموں کی انجام دہی میں فائق اور اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل تھے۔ علاوہ ازیں ذوق عبادت میں بھی آپ کو امتیاز خاص حاصل تھا۔ جہالت و سرکشی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں نور معرفت کا چراغ فروزاں تھا۔ کئی کئی دن غار حرا کے گوشے میں لوگوں سے الگ تھلگ مناجات و دعا سے کام و دہن کی لذت کا سماں کرتے تھے۔ اگر کوئی کہے کہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم طبیعت کی پاکیزگی، صفائی بطن، اعتدال مزاج، تحمل و بردباری، قوت برداشت اور اعلیٰ ذہنی و فکری صلاحیتوں کی بدولت نبوت کے سزاوار ہوئے، اور یہی صفات و کمالات آپ کو مقام نبوت تک پہنچانے کا سبب و محرک بنیں تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہ ہوتی اگر فی الواقع مقام نبوت کے حصول کے لئے یہ کمالات درکار اور ان صفات سے متصف ہونا شرط ہوتا۔ جب کہ یہ مقام و منصب خالصتاً اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے۔ علاوہ ازیں حقیقتِ حال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس منصب کے منتظر تھے نہ اس کی توقع رکھتے تھے۔ چہ جائیکہ اس کی طلب میں دستِ سوال دراز کرتے، بلکہ ایک روز اچانک ہی آپ پر وحی کا نزول ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس خلاف توقع امر سے اتنی دہشت طاری ہوئی کہ بے اختیار اپنی غم خوار و مونس، ستودہ صفات زوجہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمانے لگے: ”مجھے اندیشہ ہے کہ میں مر نہ جاؤں“۔ آپ کی زوجہ محترمہ نے اطمینان دلایا اور کہا آپ جیسی اعلیٰ کریمانہ اخلاق سے متصف شخصیت ایسی مشکل سے دوچار نہیں ہوسکتی، جس سے جان کا خطرہ لاحق ہو، ازاں بعد وحی کا نزول مسلسل ہونے لگا، اور کبھی تعطل کی کیفیت بھی طاری ہوئی، اس پس منظر میں قرآن پاک میں ارشاد ہے:

> اور آپ کو یہ توقع نہ تھی کہ آپ پر یہ کتاب نازل کی جائے گی، مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے اس کا نزول ہوا۔ (۲۰)

> یہ قرآن دو قریوں (مکہ و طائف) کی دو عظیم شخصیتوں پر کیوں نازل نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا یہ (لوگ) آپ کے رب کی رحمت (انعام و فضل) تقسیم کرتے ہیں؟

بعینہ یہی اجتبا و اصطفا، ہبہ و عطا کا معاملہ انبیا سابقین کے ساتھ روا رکھا گیا ہے، جیسا کہ یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی بابت آل عمران میں ذکر ہے، اور اسحاق، یعقوب اور ہارون علیہم السلام کے بارے میں سورۂ مریم اور موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سورۂ طٰہٰ میں قرآن نے بیان کیا ہے۔

درحقیقت نبوت ایسے حساس و نازک مقام کے لئے یہی طرز عمل مناسب تھا، وگرنہ کتنے ہی جاہ و مال کے دلدادہ فطری صلاحیتوں کو عام پیمانے سے ترقی دے کر مقام نبوت کے دعوے دار ہو جاتے، اور

عجیب وغریب ذہنی پراگندگی، افراتفری اور انارکی کی فضا پیدا ہو جاتی، راہ ہدایت پر چلنا دشوار سے دشوارتر ہو جاتا، نبی وغیر نبی کی پہچان مشکل ہو جاتی، اس صورتحال کے سدباب کے لئے امت کی بہترین صلاحیتیں اور اعلیٰ دماغ شبانہ روز اسی کدو کاوش میں مصروفِ عمل رہتے کہ کس طرح جھوٹے مدعیان نبوت کو نیچا دکھائیں، اور ان کے طلسم و شعبدہ بازی کے سحر سے افراد امت کو نجات دلائیں۔ اس قسم کی صورتحال عیسائیت کو پیش آئی۔ EDWIN KNOX MITCHELL ہارٹ فورڈ (HARTFORD) کے شعبۂ دینیات میں یونانی، رومی اور مشرقی کلیسا کی تاریخ کے پروفیسر مسیحیت کو پیش آنے والے اس ابتلا کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ان جھوٹے نبیوں کے ظہور نے جو ماورائی حکمت (SUPERIOR WISDOM) کے مدعی ہوتے تھے، بہت جلد بے اعتمادی پیدا کردی اور کلیساؤں اور ان کے رہنماؤں کو اس خطرہ کا احساس دلایا جو ان کی فلاح و بہبود کے گرد منڈلا رہا تھا، تاہم ابھی کوئی ایسا تادیبی طریقہ وجود میں نہیں آیا تھا، جو جانا پہچانا بھی ہوتا، اور ان مکاروں کا زور بھی ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جنہیں یہ دعویٰ تھا کہ خدا ان سے کلام کرتا ہے، اور ان پر بذریعہ وحی اپنے راز ہائے سربستہ منکشف کرتا ہے، ابھی تک کوئی ایسا معیار نہیں دریافت ہو پایا تھا، جس کے ذریعے ان مدعیانِ روحانیت کی صداقت کا امتحان کیا جا سکتا، ایسے معیار کا دریافت ہونا قطعاً ضروری تھا، اور اگر یہ دریافت نہ بھی ہوتا تو بھی کلیسا اس کی تخلیق کر کے رہتا تاکہ اس کے ذریعے مذہب کے بنیادی اصولوں میں انتشار اور زندگی کو الحاد کے راستہ پر جا پڑنے سے بچا سکے، اور اس طرح خود اپنی حفاظت کا انتظام کر سکے۔''(۲۱)

اگر یہ منصب انسانی دسترس میں ہوتا یا قیاس وعقل کی کسوٹی پر اس کی پرکھ ممکن ہوتی تو اسی پریشانی وافراتفری کا سامنا ہوتا، جس میں مسیحیت مبتلا ہوئی اور اپنے اصلی خد وخال کھو بیٹھی۔

عقیدۂ ختم نبوت کی حکمت ہی سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مقام نبوت کی تفویض عقلی و بشری معیار تفویض وحوائج کے مطابق عمل میں نہیں آتی، بلکہ یہ محض ذات باری کا کرم واحسان ہے، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی مبعوث فرمایا، اور قرآن پاک میں اس امر کی تصریح فرما کر قیامت تک

بابِ نبوت بند ہو جانے کا اعلان فرما دیا۔

ایک شبہ کا ازالہ:

کسی شخص کے ذہن میں یہ بات آ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تو قادرِ مطلق ہے، لا انتہا قدرت کا یکتا مالک ہے اور عقیدۂ ختم نبوت، بالفاظ دیگر انسدادِ بابِ نبوت اس کے منافی بلکہ متصادم ہے، کیونکہ اس امر سے یہ لازم آتا ہے کہ خاکم بدہن خدا کی قدرت محدود ہے، اس لئے نبی مبعوث کرنے سے عاجز ہے۔

یہ گمان وسوچ شیطانی وسوسہ ہے، اس کی بابت عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ مختارِ کل ہے اور ختم نبوت سے ان کا عجز لازم نہیں آتا، عجز ودرماندگی تو اس وقت لازم آتی ہے جب نہ چاہنے کے باوجود اس سے کوئی کام کروا دیا جائے اور اس پر جبر کیا جائے کہ فلاں پیغمبر اور فلاں کو دوست بنائے اور وہ سرِ تسلیم خم کر دے۔ حالانکہ یہ امر بدیہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صوابدید پر کسی کو نبی بناتے اور کسی کو دوستی کے مقام پر فائز کرتے ہیں، اور اسی ذات نے قرآن کے ذریعے ہمیں بتایا ہے کہ ختم نبوت کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چنا گیا ہے۔ اس عمل سے نہ اس کی قدرت میں کسی قسم کا فتور آیا ہے نہ اس کا ارادہ متاثر ہوا ہے۔ یہ تفصیلی توضیح اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت و ارادہ میں الحاد اور افراط و تفریط کا شکار ہونے والوں کے لئے نہایت اہمیت کی حامل ہے۔

نبوت کے لئے اہلیت کی شرط:

جب یہ واضح ہو گیا کہ اکتسابِ نبوت عقلاً ممکن ہے نہ واقع میں اس کی کوئی مثال ہے، چنانچہ عقل کے لئے باعث تعجب اور رجائے حیرت ہوگی اگر ہر فرد بشر اپنے لئے ہبۂ الٰہیہ کا حصول اور اصطفائے ربانی کی امید رکھے اور ہر انسان یہ توقع کرے کہ وہ یہ اعلیٰ وارفع مقام پا سکتا ہے۔

جب یہ ضعیف الخلقت انسان جو فی نفسہ اور فی الواقع کم ہمت و زود رنج واقع ہوا ہے، خود پسندی اور حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی کی رو میں بزعم خویش تصور کر سکتا ہے کہ وہ اپنے زیادہ متحمل مزاج، بردبار اور اعلیٰ انسانی صفات کے حامل افراد کو پیغام ربانی پہنچانے اور انہیں مطمئن کرنے کی سکت رکھتا ہے اور اس گراں بار ذمہ داری سے بحسن و خوبی عہدہ برآ ہو سکتا ہے، تو یہ کس قدر حیران کن و تعجب خیز ہوگا کہ اللہ تعالیٰ یہ مقام ایسے شخص کو تفویض فرمائیں جو اس کی لیاقت رکھتا ہو نہ وہ اس مقام کے مناسب اہلیت کا حامل ہو۔ حاشا و کلا! اللہ تعالیٰ کی عظیم تر ذات سے ایسے فعل کا صدور محال ہے۔ چنانچہ نبی وہ ہوگا جو تمام انسانوں پر خداداد فطری صلاحیتوں کی بدولت فوقیت رکھتا ہو اور اعلیٰ انسانی صفات سے متصف ہو۔

بایں ہمہ تائیدایزدی اور نگاہ ربانی سے بھی محفوظ ہوا۔ ارشاد ہے:

> اور جب ان کو کوئی آیت پہنچتی ہے تو یوں کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہم کو بھی ایسی ہی چیز نہ دے دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی جاتی ہے، اس موقع کو تو خدا ہی خوب جانتا ہے جہاں اپنا پیغام (وحی کے ذریعے سے) بھیجتا ہے۔(۲۲)

پیغمبر کی انہی اعلیٰ بشری صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے امام شہرستانی فرماتے ہیں کہ قبل از بعث ہی نبی اخلاق وسلوک کے تمام مراحل طے کر لیتا ہے، کمال فطرت اور اعتدال مزاج میں فوقیت رکھتا ہے اور اقوال وافعال میں سچائی وامانت کی خصلت اسے عام انسانوں میں منفرد وممتاز رکھتی ہے۔ وہ قومی واجتماعی امراض سے دور اور ایک الگ وجداگانہ راہ کا راہی ہوتا ہے، اس کی ذات سے رحمت وشفقت کی شعاعیں پھوٹتی محسوس ہوتی ہیں۔ اس کا پیغام، اسکی تعلیمات بنی نوع انسان کے لئے فلاح وترقی کا زینہ ہوتی ہیں۔

انبیا کرام انسانوں کے لئے خدا کی محبت، اسکی معرفت کا ذریعہ، اس کی رحمت کا باعث اور اس کی بیش بہا نعمتوں کا سبب ہوتے ہیں۔ وہ ان برگزیدہ افراد میں سے ہوتے ہیں، جنہیں اللہ جل شانہ اپنے تقرب خاص سے نوازتا ہے اور انہیں منتخب فرماتا ہے۔

> بے شک اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو تمام جہانوں پر۔(۲۳)

نبی جس طرح قول وعمل میں فائق ہوتا ہے، حسن خلقت، حسن فطرت، مکارم اخلاق اور رنگ ونسل میں بھی برتر حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ اللہ جل شانہ جسے اپنی نگاہ التفات سے نوازتے ہیں، سنت جاریہ کے مطابق اس کی تہذیب وتشکیل کا پورا اہتمام فرماتے ہیں، روحانیت میں روزافزوں ترقی ہوتی ہے، جھوٹے اموراور رذائل سے دور ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ جب یہ ذات آغوش الٰہی میں بتدریج تربیت کے مراحل طے کرکے نبوت سے مناسبت، اور اس مقام تک رسائی کی اہل ہو جاتی ہے، لوح محفوظ میں اس نعمت کے حصول کا وقت موعود آپہنچتا ہے تو نبوت کی خلعت عطا کر دی جاتی ہے دریں وقت دعوئ نبوت چونکانے کا باعث ہوتا ہے نہ تو ہم پرست ذہنوں میں شکوک وشبہات جنم لیتے ہیں، بلکہ اس ذات کی علو ہمت، اعلیٰ روحانی کمالات، فراخ دلی، سخاوت، حسن گفتار وکردار اور ذکاوت جس کو دیکھتے ہوئے ابنائے قوم سے انعام واکرام کا مستحق سمجھتے ہیں تاہم یہ تمام امور تعلیم وتربیت نفس کے وہ مراحل ہیں جن

سے اس منصب کے حاملین کو گذارا جاتا ہے او رقدرت الٰہیہ اس عمل کے اسباب مہیا کرتی ہے۔ ازاں بعد کہا جاتا ہے، اللہ جل شانہ نے اس ذات کو اپنے لئے چنا اور مقربین کی صف میں شامل کرلیا۔

یہ صورتحال اور اہتمام و رعایت کی یہ کیفیت ہر نبی کی ذات گرامی میں دکھائی دیتی ہے، جسے قرآن کریم نے بالتفصیل ذکر کیا ہے، خصوصاً حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام میں قدرے تفصیل سے اس کا ذکر ملتا ہے، اسی طرح حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام بھی اس خصوصیت کے حامل ہیں۔ اگر دوسرے پہلو سے جائزہ لیں تو بعض انبیا کرام کی تربیت میں اہتمام و رعایت کی یہ کیفیت انکی ولادت سے قبل نظر آتی ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے احوال میں غور کرنے سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے۔ سورۂ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا بھی اس اہتمام و عنایت سے حظ اٹھانے کا ذکر ملتا ہے، جس کے باعث زبان رسالت بے اختیار پکار اٹھتی ہے:

> اور مجھ پر سلام ہے جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز مروں گا اور جس روز میں زندہ کرکے اٹھایا جاؤں گا۔ (۲۴)

سورۂ آل عمران کی درج ذیل آیتوں سے معلوم ہوتا ہے، حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ آپ علیہا السلام سے قبل یہ معاملہ روا رکھا گیا تھا۔

> جب کہ عمران کی بیوی نے عرض کیا کہ اے میرے پرودگار! میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے اس بچے کی، جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جائیگا سو آپ مجھ سے قبول کر لیجئے، بے شک آپ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔ پھر جب لڑکی جنی، کہنے لگیں کہ اے میرے پرودگار! میں نے تو اس حمل سے لڑکی جنی، حالانکہ خدا تعالیٰ زیادہ جانتے ہیں اس کو جو انہوں نے جنی، اور وہ لڑکا اس لڑکی کے برابر نہیں۔ اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا، اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو آپ کی پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے۔ پس ان کو ان کے رب نے بوجہ احسن قبول فرمالیا اور عمدہ طور پر ان کی نشو و نما فرمائی اور زکریا کو ان کا سرپرست بنایا۔ (۲۵)

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی عنایت ربانی اور تربیت الٰہی کے انوار سے بہرہ ور ہوئے واثلہ بن اسقع فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ جل شانہ نے اولادِ اسماعیل سے قبیلۂ کنانہ کو چنا، پھر کنانہ سے قریش کو منتخب فرمایا، بعد ازاں قریش سے بنی ہاشم پر نظرِ انتخاب ٹھہری اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمایا۔(۲۶)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بارہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس احسان و نعمت، تائید و اہتمام کے حوالے دیئے اور جابجا آیتیں ذکر کیں۔ ان کی ایک جھلک سورۂ ضحیٰ، سورہ شرح، سورۂ مزمل، سورۂ مدثر اور دیگر سورتوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے، قدرتِ الٰہیہ کو آپ کی ذات میں کس قدر اہتمام ملحوظ تھا، اس سے بڑھ کر اہتمام و رعایت ممکن نہیں اور اللہ کی رحمت و شفقت انداز بدل بدل کر آپ پر سایۂ عاطفت کئے ہوئے تھی۔

ختمِ نبوت و کمالِ شریعت:

بنی آدم پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ آفرینش کے بعد انہیں مہمل و آزاد چھوڑا گیا نہ دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لئے ان کی عقلوں کی رہنمائی کو کافی سمجھا گیا۔

ابو البشر آدم علیہ السلام کی تخلیق کا عمل اللہ جل شانہ کے ہاتھوں انجام پایا، ان میں روح پھونکی گئی اور انہیں مخصوص اسماء کی تعلیم دی گئی، ازاں بعد دنیا میں خلافت و نیابت الٰہی کا تاج پہنا کر انہیں زمین پر اتارا گیا، قرآن پاک کی آیت میں تخلیق آدم کا یہی سبب ذکر کیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

میں ضرور بناؤں گا زمین میں ایک نائب (سورۂ بقرہ) (۲۷)

خلافت و نیابت کا استحقام اسی وقت پیدا ہو سکتا تھا، اور اس منصب کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا جبھی ممکن تھا کہ ان کی ہدایت و تعلیم و تربیت کا مکمل بندوبست کیا جاتا، بلکہ اس کے اسباب بھی مہیا کیئے جاتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس عمل کے بارے میں امیدوں کے در وا کئے اور حکم مرحمت فرمایا کہ جب ان کی طرف ہدایت و احکام آئیں تو اسے قبول اور ان کی بجا آوری میں سرِ تسلیم خم کریں اور ان کی اتباع میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔

ہم نے حکم فرمایا نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب، پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت سو جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی تو نہ تو کچھ اندیشہ ہوگا اس پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے۔ اور جو لوگ

کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی، یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔(۲۸)

بعد ازاں انبیا و رسل کو بنی نوع انسان کی جنس سے چننا اور منتخب کرنا اور پھر انہیں سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمانا، اللہ جل شانہ کی رحمت، شفقت و کرم نوازی کا ایک دلآویز انداز ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ ان ہدایت یافتہ اور برگزیدہ افراد سے بنی آدم وحشت، نفرت اور بے گانگی کا شکار نہ ہوں، بلکہ ان سے یک گونہ انسیت اور محبت کا احساس ان کے دلوں میں چٹکی لے اور ان کے بیان کردہ احکام کی بجا آوری سہل ہو۔

عوام الناس کے معیار زندگی میں روز افزوں ترقی، ماحول و معاشرے کی تشکیل و اختلاف، انسانی طبائع اور انداز فکر و نظر میں تنوع کی بنا پر مختلف وجدا گانہ مکاتب فکر کا منصۂ شہود پر ظاہر ہونا، جذبات و رغبات، نفسیاتی و ذہنی ہم آہنگی کا فقدان، جنسی و شہوانی خواہشات کا غلبہ اور ہر زمانہ و دور کے انداز نظر و طرز معاشرت میں فرق اس امر کا تقاضا کرتے تھے کہ سلسلۂ انبیا مسلسل ہو، یک گونہ تسلسل کے ساتھ بتدریج انبیا کرام کی بعثت عمل میں آئے، اور ہر امت و قوم کے لئے ایک نبی ہو، جو اس کے قلب و جاں میں سرایت کردہ بیماریوں کی تشخیص کرے اور فکر و نظر، معاشرت و معاش میں جو کجیاں در آئی ہیں ان کی اصلاح کا بیڑا اٹھائے انسان کی تخلیق کے مقاصد اور اس کی غرض و غایت واضح کرے تاکہ اپنے اصلی مقصد کے بارے میں امت کا ذہن واضح ہو، ان میں مکمل ہم آہنگی اور اتفاق رائے ہو، اور سب کے سب منبع ہدایت و صراط مستقیم کے راہ رو بن جائیں۔

اور ہم ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر بھیجتے رہے ہیں کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچتے رہو، سو ان میں بعضے وہ ہوئے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور بعضے ان میں وہ ہیں جن پر گمراہی کا ثبوت ہوگا۔(۲۹)

ہر قوم و ملت میں ماحول کے اختلاف اور جادۂ حق سے انحراف کے مختلف اسباب کی بنا پر بھی ضروری تھا کہ ہر امت کے ساتھ ایک رسول خاص ہو، جو اس کو اعتقادی آفات، نفسیاتی امراض اور اجتماعی و معاشرتی انارکی سے بچائے رکھے، اور اس وقت وہ جن امراض میں مبتلا ہے اور ضلالت کے جن اندھے گڑھوں میں ہاتھوں پاؤں مار رہی ہے، انہیں اس سے نکال کر جادۂ حق پر ڈالنے کی سعی کرے۔

تاریخ نبوت کا سرسری جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ ہر نبی اپنے زمانہ و ماحول کے مناسب ایک خاص ذمہ داری لے کر مبعوث ہوا ہے۔نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کو

not

توحید کی دعوت دیتے رہے۔تاہم انکی تیرہ بختی سعادت و فلاح کی راہ میں حائل ہوئی اور انہوں نے روگردانی کا وطیرہ بنایا، آخر کار انہیں ایک ہیبت ناک طوفان نے آگھیرا اور وہ اپنے منطقی انجام کو پہنچے۔ ابراہیم علیہ السلام بھی اسی دعوت کو لے کر آئے، اور اپنے دور میں شرک و بت پرستی کے طوفان بلا خیز سے نبرد آزما ہوئے۔اور ہر ممکن طریقے سے قوم کو اعتقادی بیماریوں سے نجات دلانے کی سعی کی۔ دریں اثنا اللہ تعالٰی نے انہیں آزمایا اور وہ آزمائش پر پورا اترے، چنانچہ اللہ تعالٰی نے ان کی نسل میں نبوت و کتاب کے سلسلے کا آغاز فرما دیا۔موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو غلامیت کی ذلت سے نجات دلائی اور فراعنہ مصر کے ظلم و جور کے پنجۂ استبداد سے انہیں نکالا۔ مسلسل حق تلفی کی شکار، ستم رسیدہ اور غلامانہ ذہنیت سے مغلوب قوم میں آپ علیہ السلام نے پیہم سعی سے عزت نفس، حریت فکر اور صلابت کی روح پھونکنے میں اہم خدمات انجام دیں، تاہم نے قوم نے ان احسانات کا بدلہ ناشکری و بے حسی سے دیا، اور ان احسانات کو اپنا حق گردانتے ہوئے علی الاعلان احکام الٰہیہ کی بے توقیری کی اور بلا جھجک سود کھاتے اور انبیاء و رسل کو دست ستم کا نشانہ بناتے تھے۔ ظلم و ستم اور نافرمانی میں وہ اس قدر آگے بڑھے کہ اللہ تعالٰی کی ذات کو پس پشت ڈال کر علماو احبار کو خدا کا درجہ دے بیٹھے، نتیجتاً رفتہ رفتہ حلت و حرمت کا اختیار اپنے ہاتھوں میں لے کر پسند و ناپسند کی بنیاد پر فیصلہ کرنے لگے، تحریف و تاویل کا سیلاب بلا خیز در آیا، حتیٰ کہ دنیاوی فوائد کے حصول کے لیے اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر اللہ تعالٰی کی طرف منسوب کرتے اور اس کی پیروی و اتباع کی تلقین کرتے تھے۔ حرص و طمع کے جذبات سے اتنے مغلوب ہوئے کہ ماضی کے واقعات سے آنکھیں موندلیں اور حال ہی کو سب کچھ سمجھ کر عیش و عشرت میں اضافے کی تگ و دو میں مصروف ہوگئے۔ اس صورتحال کے سدباب کے لئے عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت عمل میں آئی۔ان کی بعثت کا مقصد قوم کی فکری کجیوں کی اصلاح فرمانا اور ان کے جذبات و وجدان کو مخاطب کر کے اصلاح کے عمل کی داغ بیل ڈالنا تھا اور ان کے دلوں میں خشیت الٰہی کا چراغ روشن کرنا تھا، شاید ان کے دل نرم پڑ جائیں اور راہ حق پر از سر نو چلنے لگیں۔ تاہم انہوں نے آپ کی قدر کی نہ آپ کی باتوں کو درخور اعتنا سمجھا، بلکہ آپ کے خلاف سازشوں کے تانے بانے بننے میں مصروف ہوگئے۔

انبیاء کرام کے قصوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی بعثت انسانیت کے اصول، ان میں فکری و نظری اختلاف اور قوت و ضعف، فقر و غنیٰ کے نقطۂ نظر سے عمل میں آئی ہے، اور ہر امت کے لئے اسی کے اصول کے مناسب نبی منتخب کیا گیا۔حتیٰ کہ جب ہر امت ہدایت و رسالت، شریعت و انوار معرفت سے اپنی متعین حصہ وصول کر چکی اور تمام انسانیت من حیث المجموع عملی نفسیاتی، فکری و ذہنی اعتبار سے اعلیٰ صلاحیتوں

کی حامل اور ایک عمومی رسالت کی قبولیت کے تمام اسباب بہم پہنچ گئے تو اللہ جل شانہ نے نبوت کے سلسلۃ الذھب کا اختتام فرمادیا، اور سر اختتام ایسا نبی مبعوث فرمایا جس کے بعد کسی نبی کی چنداں حاجت نہیں، اور ایسی کتاب نازل فرمائی جو سابقہ کتب کی تصدیق کرتی ہے اور ہر دور کی ضروریات پر حاوی ہے۔

اور آپ کے رب کا کلام واقعیت اور اعتدال کے اعتبار سے کامل ہے اس کلام کا
کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ خوب سن رہے ہیں، خوب جان رہے ہیں۔ (۳۰)

یہ کتاب تمام انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی محبت ہے، اس کی ہدایات میں وہ راستہ پنہاں ہے جو دنیوی واخروی سعادت پر منتج ہوتا ہے، اور یہ ایک ایسی جائے پناہ اور مرجع ہے جس کی طرف ہر حال میں رجوع کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس نور کے ساتھ ظلمت کا کوئی مس نہیں، نہ اس ہدایت کے ساتھ تذبذب کو کوئی سروکار ہے۔ اس واضح حق کی موجودگی میں گمراہی وضلالت کو کسی کونے کھدرے میں دیکھنے کے سوا چارہ کار نہیں۔ اس عزت وکرامت کے کوچے میں ذلت ورسوائی کا گزر نہیں اور نہ اس توحید کے ہوتے ہوئے شرک وجہالت کا عنصریت پنپ سکتا ہے۔

ختم نبوت۔ بقائے شریعت:

گذشتہ تفصیل سے ثابت ہوا کہ ہر نبوت فی نفسہ کامل تھی اور ہر سابقہ نبوت آئندہ کے لئے تمہید۔ علاوہ ازیں ہر نبوت اپنے زمانے کے ساتھ خاص اور اپنے وقت کے حالات کی ضروریات اور ہر فائدہ رساں چیز کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ موزونیت کے اس درجے پر تھی کہ اپنے وقت کے لوگوں کے مزاج وطبیعت کے ہم آہنگ اس سے بہتر ہو ہی نہیں سکتی تھی، سابقہ شرائع میں غور سے اس امر کا ادراک کیا جاسکتا ہے، بنی اسرائیل جو سخت دل، خشک طبیعت، مذموم اخلاق کے حامل تھے، ان کے لئے شریعت وقانون بھی ایسا ہی مناسب تھا جو بے لچک اور سخت ہو۔ شیخ محمد خضری کی فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی شریعت میں بیشتر امور ایسے تھے، جو ان کے ہاں حلال اور پسندیدہ تھے، جیسا کہ بھائی کی بہن سے شادی، تاہم تورات نے انہیں حرام قرار دیا، اور بہت سے چیزیں اس کی رو سے حرام کے زمرے میں آتی تھیں جیسا کہ ہفتے کے روز کام وغیرہ کرنا، لیکن انجیل نے ان پر خط تنسیخ پھیر دیا حالانکہ ان احکام کی تنفیذ میں اس قدر سختی سے کام لیا گیا تھا کہ ان کی بجا آوری سے پہلو تہی کی سزا قتل تھی۔ سابقہ شریعتوں کے بہت سے احکام واوامر قرآن کے ذریعے منسوخ ہوئے، جیسا کہ درج ذیل آیتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

سب کھانے کی چیزیں نزول تورات سے قبل باستثنا اس کے جس کو یعقوب نے
اپنے نفس پر حرام کیا تھا، بنی اسرائیل پر حلال تھیں (۳۱)

اسی ضمن میں پیش رفت کرتے ہوئے یہود پر اعمال بد کی بنا پر بہت سے اشیا حرام قرار دی گئیں

اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری
میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر ہم نے حرام کر دی تھیں مگر وہ جو ان کی
پشت پر یا انتڑیوں میں لگی ہو، یا جو ہڈی سے ملی ہوئی ہو، ان کی شرارت کے سبب
ہم نے ان کو یہ سزا دی تھی اور ہم یقیناً سچے ہیں۔ (۳۲)

سو یہود کے ان ہی بڑے بڑے جرائم کے سبب ہم نے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو
ان کے لئے حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور بسبب اس کے کہ وہ بہت سوں
کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ سے مانع بن جاتے تھے اور بسبب اس کے کہ وہ سود لیا
کرتے تھے حالانکہ ان کو اس سے ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اس کے کہ وہ
لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھا جاتے تھے (۳۳)

یہود کے فسق و فجور اور احکامِ الٰہیہ سے استہزا کی وجہ سے ہفتے کے دن انہیں کسی بھی قسم کی سرگرمی سے باز رہنے کی تلقین کی گئی تھی۔ تاہم وہ نافرمانی اور مخالفت کی روش اپنائے رہے۔

پس ہفتہ کی تعظیم تو صرف انہی لوگوں پر لازم کی گئی تھی جنہوں نے اس میں خلاف
کیا تھا۔ (۳۴)

اور آپ ان لوگوں سے اس بستی والوں کا جو کہ دریائے شور کے قریب آباد تھے
اس وقت کا حال پوچھئے جب کہ وہ ہفتے کے بارے میں حد سے نکل رہے تھے
جب کہ ہفتے کے روز تو مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں اور جب
ہفتے کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں ہم ان کی اس طرح آزمائش
کرتے تھے اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔ (۳۵)

پھر عیسیٰ علیہ السلام ان کی طرف بھیجے گئے، انہوں نے توریت کی تصدیق کے ساتھ اللہ جل شانہ کے حکم سے بعض احکام میں تخفیف فرمائی۔

اور میں اس طور پر آیا ہوں کہ تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے تھی

not

یعنی تو راۃ تھی، اور اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے لئے بعض ایسی چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کردی گئی تھیں۔(۳۶)

اس تشدید و تخفیف اور شرائع میں جزوی اصلاح وترمیم کا مقصد یہ تھا کہ مخصوص امت، اور خاص حالات وواقعات کے پیش نظر اصلاح انسانیت کی عالمگیر تحریک کو آگے بڑھایا جاسکے اور گردش ایام کی بنا پر معاشرے میں جو تبدیلیاں رونما ہوں ان کے تقاضوں کے مطابق شریعت وقانون میں مناسب ردوبدل کیا جائے۔ مختصراً یہ کہ ان شرائع کا دائمی طور پر رہنا مقصود نہ تھا اور نہ ان میں اتنی صلاحیت ودیعت کی گئی تھی کہ وہ اقوام عالم اور تمام انسانیت کے لئے مشعلِ راہ کا فریضہ انجام دے سکیں، زمان ومکان کی پابندیوں میں مقید ان شرائع کا دائرۂ عمل محدود تھا، چنانچہ ان شریعتوں کی کتب بھی ابدیت ودائمیت کے دعوے سے عاری تھیں بلکہ وہ نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم اور شریعت خاتم کی بشارت دیتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ان شرائع کی حفاظت کی ذمہ داری نہ اٹھانا بھی اسی نقطۂ نظر کی بنا پر تھا، چنانچہ اہل ہوئی نے ان کے حقیقی خدوخال مسخ کردیئے ان میں تحریف وکمی بیشی کی تہ در تہ پرتوں کے سبب ان کی اصل صورت عوام الناس کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

اس کے برخلاف اللہ جل شانہ نے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری، زمان ومکان کی تخصیص کے بغیر خود لی، ارشاد ربانی ہے۔

قرآن ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں (۳۷)

مرورِ زمانہ نے اس وعدے کے حسن ایفاء پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے، ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے ایسے وسائل بہم پہنچائے ہیں جن کے ذریعے قرآن کی حفاظت ممکن ہوسکی۔ کبھی تو سینوں میں اسے محفوظ رکھا گیا اور کبھی کتابت واوراق کے وسائل مہیا کئے گئے۔ بنا بریں مکمل ایقان واعتماد کے ساتھ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ روئے زمین پر قرآن کریم کے علاوہ ایسی کسی کتاب کا پایا جانا از قبیل محال ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرح منسوب ہو اور وہ تحریف وتبدیلی سے محفوظ ہو، اس کے علاوہ قرآن کے ایک ایک حرف کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کی صحت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے اور اس میں اختلاف کا شائبہ تک نہیں۔

شریعتِ خاتم کو دیکھا جائے تو وہ ہر قسم کے طبقاتی فرق اور امتیازات سے عاری ہے۔ اس کے احکام وقوانین اور اوامر ونواہی اوقات کے ساتھ خاص ہیں نہ کسی فرد کے لئے تخفیف و لچک کا جانبدارانہ رویہ رکھتے ہیں، تاہم یہ شریعت ہر زمانے اور ہر جگہ کے معاشرے و ماحول کے سدھار کے لئے جامع قوانین کی شکل میں ایسا دستور حیات ہے، جس سے پہلو تہی ممکن نہیں، اس لئے کہ کوئی زمانہ، کوئی جگہ اور

کوئی معاشرہ آسمانی ہدایات، روحانیت اور شریعت الٰہیہ کی احتیاج سے آزاد نہیں ہو سکتا۔

اس جامعیت کے برعکس اگر شریعتِ خاتم زمان و مکان کی قیود میں جکڑی ہوئی یا حالات و واقعات کی حدود میں محصور ہوتی تو ان کی تبدیلی سے اس کی فعالیت و اثر انگیزی متاثر ہوتی، ہدایت کا چشمہ سوکھ جاتا۔ لوگ حیرت و استعجاب سے دائیں بائیں دیکھنے پر مجبور ہو جاتے، انتظام و انصرام ٹوٹ پھوٹ کا شکار اور اخلاقی قدریں پامال ہو جاتیں، ذہنی و فکری انارکی تمام شعبہ ہائے حیات کو لپیٹ میں لے لیتی۔ خصوصاً اس پس منظر میں کہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہو، اور نئی رسالت کی ادنیٰ امید بھی نہ ہو، لہٰذا اس کے علاوہ چارہ کار نہ تھا کہ شریعتِ خاتم ایسی مضبوط و مرتب ہو کہ ہر دور میں قابل عمل اور نسخ و تبدیلی کا احتمال نہ رکھے۔ مسائل کتنے ہی گھمبیر کیوں نہ ہوں اور حادثات کتنے ہی سرعت سے وقوع پذیر ہوں، شریعت ہر مشکل کے تدارک اور ہر گھمبیر صورتحال سے نکلنے کی صلاحیت سے مالا مال ہو۔

ختمِ نبوت ان اوصاف و کمالات کی حامل نہ ہو تو اسے نور ہدایت کے لئے سد راہ سمجھنا مناسب ہوگا، اور لوگوں کو مشکلات و مصائب میں مبتلا کرنے کی کوشش سے اس کی تعبیر کی جائے گی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی رحیم و کریم ذات سے بعید ہے کہ وہ بنی آدم کو اس قسم کی مشکلات سے دوچار کرے۔

> کیا ہم تم سے اس نصیحت کو اس بات پر ہٹا لیں گے کہ تم حد سے گزرنے والے ہو۔ (۳۸)

اس صورتحال کے امکانات کو ختم کرنے کی غرض سے انبیا کرام بھیجے گئے، ختم نبوت اور شریعت خاتم کو ابدیت و دوام سے ہمکنار کیا گیا ہے اور اس کے ہر جز میں ہدایت و سعادت سمودی گئی ہے۔

> تو جو شخص میری اس ہدایت کا اتباع کرے گا تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ شقی ہوگا۔ اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض برتے گا تو اس کے لئے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ (۳۹)

ابدیت، دوام اور رہدایت کی یہ کیفیت ثابت کرتی ہے کہ یہ دین و شریعت انتہائے کمال پر فائز ہے۔

> آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔ (۴۰)

شریعت خاتم، دین اسلام پایہ تکمیل تک پہنچنے کے بعد ہر طرح کے تغیر و تبدل، نسخ و زیاتی، تحریف لفظی و معنوی سے محفوظ ہو گیا ہے، اس طرح کی ہر کوشش اب ضلالت اور گمراہی سے تعبیر کی جائے گی۔ حق

وصداقت کے بعد گمراہی ہی ہے۔اس بنا پر شریعت اسلامیہ باقی رہے گی جب تک انسانیت کی بقا مقدر ہے،اس لئے کہ کسی نئے نبی کی بعثت متصور ہے نہ اس کے ساتھ کسی نئی کتاب وشریعت کی آمد۔اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان کو انوارِ ہدایت سے دور نہیں رکھا۔

تا کہ لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے ان پیغمبروں کے بعد کوئی عذر باقی نہ رہے۔(۴۱)

چنانچہ شریعت اسلامیہ کو آخری آسمانی دستور بنایا اور اسے ہر فرد کی دسترس میں رکھا۔اسے ایسی کامل ومکمل ہدایت بنایا جسے کلی طور پر تبدیل کیا جا سکتا ہے نہ جزوی طور پر اس میں تغیر کا احتمال ہے،اور نہ اس کے ابواب میں سے کسی باب میں اس کی گنجائش رکھی گئی ہے۔اس امر کو دو مقدموں سے ثابت کیا جا سکتا ہے:

اول: شریعتِ اسلامیہ تکمیل کے مراحل طے کر کے درجۂ کمال پر فائز ہو چکی ہے،لہٰذا اب کسی قسم کا رد و بدل اس کے کمال میں نقص شمار ہوگا۔

دوم: شریعت اسلامیہ میں رد و بدل کا جو ذات استحقاق رکھتی تھی،اس نے آگاہ کر دیا ہے کہ یہ کامل ہو چکی ہے،اب وہ اس میں کمی بیشی نہیں کرے گی۔اسی ذات نے ہمیں بتایا ہے،بابِ نبوت بند ہو چکا ہے،لہٰذا اب نئے نبی کی آمد کا انتظار عبث ہے،جو اس میں رد و بدل کا مجاز سمجھا جا سکتا تھا۔شریعت اسلامیہ میں کمال کی یہ کیفیت جیسا کہ کلیتاً ہے،اسی طرح اس کے ہر ہر جز میں بھی سمجھا جانا چاہئے۔

شریعت کا دوام اور اجتہاد کی ضرورت:

ہر منصف مزاج نکتہ رس شخص کے نزدیک یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ اسلام اپنی اس صورت و ہیئت میں جس کی تبلیغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کر چکے ہیں،اللہ جل شانہ کا پسندیدہ دین ہے،جو ابدالآباد تک دنیا میں رہے گا۔اور جیسا کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ اختیار اور اس کے ارادے کی طرف لوٹتی ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ بہترین اور پر از حکمت چیزوں کو منتخب فرماتا ہے،

وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے، تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔(۴۲)

اور ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس بھیجی ہے،جو خود بھی صدق کے ساتھ موصوف ہے اور اس سے پہلے جو کتابیں ہیں ان کی بھی تصدیق کرتی ہے اور ان کتابوں

not

کی محافظ ہے۔(۴۳)

اس رسالت میں اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی کے آثار اس کی ان خصوصیتوں میں دیکھے جاسکتے ہیں، جن سے اس سے قبل کی نبوتیں تہی ہیں۔ یہ خصائص اپنے اجمال وتفصیل میں اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ رسالت خاتم الرسالات ہے، اس لئے ابدی ہے، قیامت تک کوئی شریعت اسے منسوخ نہیں کرسکتی۔

اجمال سے مراد قرآن کریم کا بے مثال معجزانہ اسلوب ہے، قرآن میں ذکر کردہ انبیا اکرام کے قصوں میں جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے، وہ خود دلالت کرتا ہے کہ ہر نبی صرف اپنی قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا گیا تھا، اس لئے کہ ان انبیا کو خطاب کرتے وقت مخصوص وصف یا علامت سے انہیں موسوم کیا گیا ہے، جیسا کہ سورۂ ہود، سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں یہ اسلوب اختیار کیا گیا۔ اس کے برعکس خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عمومی رسالت وتبلیغ کے مکلّف قرار دیئے گئے تھے اور اس عمومیت میں رنگ ونسل کا امتیاز تھا نہ زمان ومکان کی تخصیص۔ اس لئے آپ سے خطاب کرتے ہوئے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے جو پوری انسانیت کا احاطہ کرتے ہیں۔

> اور ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا، لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔(۴۴)
>
> آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی ہے تمام آسمانوں اور زمین میں، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر، جو اللہ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں، اور ان کا اتباع کرو تاکہ تم راہ پر آجاؤ۔(۴۵)

اسلوبِ مخاطبت کے علاوہ عمومیت کی یہ کیفیت ان معجزات سے بھی مترشح ہے جو آپ کے ہاتھوں ظاہر ہوئے۔ موضوعِ سخن کے لحاظ ان میں بڑی خصوصیت یہ ہے کہ بعض معجزات کے آثار اب تک محفوظ ہیں، یہ اس لئے ہے کہ طالبِ حق انہیں دیکھ اور پرکھ کر سچائی تک بہ سہولت رسائی حاصل کرسکے اور اس دین کی حقانیت اس پر واضح ہوجائے۔

شریعت کے علاوہ عقیدۂ اسلام میں مہرِ ختم نبوت کا پرتو اس طرح ہے کہ یہ عقیدہ بسیط اور واضح ہے، تعقید، تشکک، الجھاؤ اور غموض کا اس میں شائبہ تک نہیں ہے۔ ہر سطح کی عقل اسے قبول کرنے میں جھجک

not

محسوس نہیں کرتی۔ غور وخوض اور رہال کی کھال اتارنے کی عادی عقل اسے قبول کرکے حیرت انگیز طور پر پر سکون ہو جاتی ہے۔اس کے علاوہ سادہ عقلوں کے لئے بھی اس میں راحت کا سامان ہے۔اسی طرح مختلف جذبات ووجدان کے حامل افراد بھی اسے بغیر کسی رد وکد اور بحث وتمحیص کے قبول کر لیتے ہیں۔مفکرین و دانشور جس طرح اس عقیدے کو اپنا لیتے ہیں،بعینہ اسی طرح ناخواندہ طبقہ بھی اسے حرزِ جاں بنالیتا ہے۔

عقیدۂ اسلام کی دوسری بڑی اور اہم خصوصیت اس کا فطری ہونا بھی ہے۔ یہ عقیدہ براہ راست فطرتِ سلیمہ کو مخاطب کرتا ہے،جیسا کہ قرآن پاک اس کی توصیف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

تو تم یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو،اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالی نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔اللہ تعالی کی اس پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے، بدلنا نہ چاہئے، پس سیدھا دین یہی ہے،لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔(۴۶)

فرد کی فطرت اگر خارجی محرکات سے متاثر نہ ہو تو وہ سوائے دین اسلام کے کسی مذہب وملت کی طرف نگاہ غلط انداز بھی نہ ڈالے اور فطرت، وجدان اور ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اسلام قبول کر لے۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مامن مولود الایولد علی الفطرة فابواه یهود انه أو ینصرانه او یمجسانه ، کما تنتج البهیمة بهیمة جمعاء فلاتحسون فیها من جدع. ثم یقول ابوهریرةؓ: فطرت الله التی فطر الناس علیها لاتبدیل لخلق الله ذلک الدین القیمo (۴۷)

یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ اسلام دین فطرت ہے،انسان اگر خارجی اثرات وغیرہ سے محفوظ رہے تو فطرت کو قبول کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں یہ عقیدہ وحی الٰہی سے ثابت ہے،اس میں تصرف،تغیر،نسخ وتبدیل کا حق ذات باری کے سوا کسی کو حاصل نہیں،خواہ وہ کوئی فرد ہو یا منتخب افراد کی جماعت۔پھر یہ عقیدہ مخالف ومتضاد عناصر کی دستبرد سے محفوظ چلا آرہا ہے۔ جب بھی مسلمان اس میں کمزوری یا کجی کا شکار ہوتے ہیں تو اللہ جل شانہ کسی مجدد وعالم دین کے ذریعے انہیں جادۂ حق پر لے آتے ہیں،اور صحیح وخالص عقیدہ جو قرآن اور سنت نبویہ سے ثابت ہے،از سرِ نو ان میں رسوخ پالیتا ہے۔

یہ عقیدہ بسیط، سادہ، فطری اور واضح ہونے کے باوجود جبر وقہر اور زبردستی کا حامی نہیں، بلکہ متبعین کو حجت ودلیل کے ذریعے مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے، انھیں غور وفکر کی کھلی دعوت دیتا ہے۔ اور صرف قلب ووجدان کو جذباتی وایمانی انداز میں مخاطب نہیں آتا بلکہ جب فہم وفکر اور عقل کو دلیل، تفسیر وتعلیل کے طرز نو سے خطاب کرتا ہے تو کوئی چارہ نہ پاکر عقولِ سلیمہ اس کے سامنے سپر انداز ہو جاتی ہیں، وجدان سر تسلیم خم کر لیتا ہے، نفس یک گونہ راحت پاتا ہے، اور قلب نور کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتا ہے۔ قرآن کی ہر ہر آیت اس اسلوب کی یکتا وجداگانہ مثال ہے۔

ان تمام خصوصیات کے علاوہ یہ عقیدہ افراط وتفریط سے کوسوں دور اور راہِ اعتدال پر گامزن ہے، اعتدال کی یہ کیفیت اس کے ہر ہر جز میں رچی بسی ہے، خواہ وہ جز عالم غیب پر ایمان کا ہو یا اللہ تعالیٰ کی صفات کا، جو ایجاب وسلب اور نفی واثبات کے مابین دائر ہیں یا مقام انبیا کا جز ہو، جو اس عقیدے کی رو سے عام انسانوں سے برگزیدہ اور ممتاز حیثیت کے حامل ہیں، اطاعت اور توقیر واتباع کے حق سے محروم نہیں۔ اسی طرح دیگر اجزا کا حال ہے۔

فروعی قواعد کی رو سے جنھیں اصطلاحی زبان میں ''فقہ وشریعت'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، دیکھا جائے تو سابقہ شرائع میں ایسی تصریحات ملتی ہیں جو اسے اسی عہد یا مکان کے ساتھ خاص کرتی ہیں، ان شرائع میں اسی عہد کے روزمرہ مسائل کا حل ہوتا ہے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی شریعت میں تھا۔ یہی صورتحال ہود، لوط، شعیب وصالح علیہم السلام کی رسالت کی تفصیل میں ملتی ہے، جبکہ شریعتِ خاتمہ میں اس کا دور دور تک نام ونشان نہیں، اس کے برعکس عمومیت کی فضا ہے، فرد، جماعت، امت، ملک، حتیٰ کہ باہم دیگر تعلقات کی نوعیت، ضرورت ہر سطح پر شریعت اسلامیہ رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی نظر آتی ہے۔

شریعت اسلامیہ کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ یہ انسانی حقوق کی سب سے بڑی داعی ہے، محبت، رحمت، شفقت واحسان، بھائی چارے ودرگزر اس کی بنیادی تعلیمات ہیں، یہ شریعت ان عناصر کو ربانی ہدایت کی روشنی میں ایک خاص تناسب سے ترکیب دیتی ہے اور انسان سے بحیثیت انسان معاملہ کرتی ہے، تاہم اس میں اتنی روحانیت پیدا کر دیتی ہے جسے ترقی دیکر مقام ومرتبے میں وہ ملائک سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

اور ہم نے اس قرآن کو راستی ہی کے ساتھ نازل کیا اور وہ راستی ہی کے ساتھ
نازل ہو گیا اور ہم نے آپ کو صرف خوشی سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا
ہے۔(۴۸)

not

وہ ایسا ہے کہ اپنے بندے پر صاف صاف آیتیں بھیجتا ہے تا کہ وہ تم کو تاریکیوں
سے روشنی کی طرف لائے اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر بڑا شفیق و
مہربان ہے۔(۴۹)

اور ہم ایسی چیز یعنی قرآن نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں شفا
اور رحمت ہے(۵۰)

اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے جو تمام باتوں کا بیان کرنے والا ہے اور
مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور خوش خبری سنانے والا
ہے۔(۵۱)

یہ قرآن کوئی گھڑی ہوئی بات تو ہے نہیں، بلکہ اس سے پہلے جو کتابیں آ چکی ہیں
ان کی تصدیق کرنے والا ہے، اور ہر بات کی تفصیل کرنے والا ہے اور ایمان
والوں کے لئے ذریعۂ ہدایت و رحمت ہے۔(۵۲)

علاوہ ازیں شریعت خاتم کا طرۂ امتیاز ہر عمل میں سہولت، آسانی اور تیسیر کا نکتۂ نگاہ اپنانا ہے، تنگی، تشدد و تعسیر سے یہ شریعت متنفر ہے۔ یسر و سہولت کا باب اتنا وسیع ہے کہ مختلف و متنوع طبائع اس پر عمل کرتی ہیں اور معاشروں اور سوسائٹیوں کا اختلاف اس پر عمل کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتا۔ عالی ہمت اور قوی الارادہ افراد اپنی ہمت و ارادے کو اس میں محبوس نہیں پاتے بلکہ یہ شریعت ان کی وہبی صلاحیتوں کو فلاح انسانی کے کاموں میں استعمال کرنے کے لئے ابھارنے کا طریقہ اختیار کرتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح ضعیف الجسم، بدنی یا عقلی مریض، مادی یا معنوی اعذار میں مبتلا افراد سے ان کی قوت و فطرت سے بڑھ کر مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ غرض عزیمت اصحاب عزائم کے لئے اور رخصت معذوروں کے لئے۔

اللہ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں (۵۳)

اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، جس نے اچھے کام کئے
تو اس نے اپنے ہی لئے کئے، اور جس نے برے کام کئے تو اس نے اپنے ہی
لئے کئے۔(۵۴)

یہ تمام رخصتیں خالص توقیفی عبادت نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ میں نافذ العمل ہیں، چنانچہ جو شخص نصاب کا مالک نہیں، اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی بھی نہیں۔ حج کی استطاعت نہ رکھنے والا اس عبادت کی بجا

آوری سے معذور رہے۔ بعض اعذار کی موجودگی میں روزے کا حکم نہیں تاوقتیکہ وہ زائل نہ ہو جائیں، اگر ان کے زائل ہونے کی امید نہ ہو تو ایک مخصوص مقدار میں فدیے کی ادائیگی کے ذریعے روزے کے فرض سے سبکدوش ہو سکتے ہیں۔ نماز کو ایک خاص ہیئت میں ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اگر شرعی عذر لاحق ہو تو کوئی بھی ممکنہ قریبی صورت اس کا بدل بن سکتی ہے۔ پاک صاف زمین پر پانی سے طہارت حاصل کر کے نماز ادا کی جاتی ہے، پانی اگر معدوم ہو تو مٹی سے پاکی حاصل کی جا سکتی ہے، اس طرح دیگر فرائض و امور میں بھی شریعت خاتم نے سختی و تشدد سے اجتناب برتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس سابقہ شرائع میں بے لچک رویہ اختیار کیا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

> اللہ تعالٰی نے میری امت سے غلطی اور بھول چوک سے سرزد ہونے والے گناہوں کو معاف فرما دیا ہے، اور زبردستی کرائے جانے والے گناہ بھی۔ (۵۶)

حتیٰ کہ عقیدے میں بھی یہی رویہ روا رکھا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

> پس جھوٹ افترا کرنے والے تو یہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ ہیں پورے جھوٹے۔ جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے، مگر جس شخص پر زبردستی کی جائے بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو (تو وہ مستثنیٰ ہے) (۵۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی صحابی کو کہیں بھیجتے تو دیگر نصائح کے ساتھ یہ نصیحت بھی فرماتے:

> **بشروا ولا تنفروا، ویسروا ولا تعسروا** (۵۸)
>
> بشارت دو نفرت نہ دلاؤ، آسانی کرو تنگی و دشواری سے کام نہ لو۔

رخصت کے عمل کے ساتھ ساتھ شریعت خاتم میں اتنی لچک رکھی گئی ہے کہ ہر نسل اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق اس کے اصول و قواعد میں مناسب اصلاح و ترمیم کر سکے۔ اس اصلاح و ترمیم کا ماخذ قرآن و سنت سے ماخوذ اور اس عمل سے مسلمانوں کی بھلائی مقصود ہو۔ شورائی نظام کا قیام اسی نکتے کی بنا پر ہے کہ تنفیذ کی کیفیت واضح ہو جائے اور احکام اسلام سے بھرپور استفادہ ممکن بنایا جا سکے اور جس دور میں عدل و انصاف کا حصول جس طریقہ سے ممکن ہو، اس سے اعراض نہ برتا جائے۔

لچک وزمی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ بہت سے معاشرتی قواعد ایسے ہیں جو حاکم و امیر کے واسطے کے بغیر مسلمانوں پر ان کی رعایت ضروری قرار دی گئی ہے، مثال کے طور پر قاعدہ ہے کہ "فساد کو ٹالنا، فوائد کے حصول پر

not

مقدم ہے''۔ یعنی ایک عمل میں نفع سے زیادہ نقصان کا احتمال ہے، ایسے عمل کا ترک لازم ہے۔ اسی طرح یہ بھی قاعدہ ہے کہ ''مشقت کا تقاضا ہے کہ سہولت برتی جائے'' علاوہ ازیں بہت سے قواعد ہیں جو مسلمانوں کے لئے روزمرہ زندگی میں شریعت کے نفاذ میں ممد ومعاون ہیں اور ہر دور میں ان کا افادی پہلو نمایاں رہا ہے۔

عمومیت ونرمی کی بنا پر نئے نئے حوادث ومسائل کے متعلق شریعت اسلامیہ کے بنیادی، اساسی اور اصولی ماخذ سے احکام کے استنباط کے لئے اجتہاد کا حکم دیا گیا ہے، یہ ایک ایسا طریقہ کار ہے جو ناگہانی صورتحال اور ترقی کے تقاضوں سے شریعت اسلامیہ کی روشنی میں عہدہ برآ ہونے کا محفوظ ترین راستہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اجتہادی صلاحیتوں کو ابھارتے رہتے تھے۔ بیشتر مسائل میں ان سے مشورہ لیتے اور قابل عمل آرا سے اتفاق کا اظہار فرماتے ہوئے انہیں نفاذ عمل میں لانے کی سعی فرماتے تھے۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک یہی طریقہ رائج ہے، اسی لئے نئے نئے حادثات اور جدید مسائل کے حل کرنے میں شریعت اسلامیہ کا دامن کبھی تنگی کا شکار نہیں ہوا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ کے عام قواعد واصول ایسی کیفیت اور تناسب سے وضع کئے گئے ہیں کہ جدید مسائل ان کے دائرہ عمل سے خارج نہیں ہیں۔

خیر القرون کے بعد علمائے امت نے یہی طریقہ اپنایا او رشریعت کے بیان کردہ اصول سے احکام کے استنباط واستخراج کے قواعد ضبط فرمائے۔ اگر کوئی ایسا شخص یا اجتماعی حادثہ یا مسئلہ درپیش آجاتا جس کی بابت نصوص میں کوئی صراحت وارد نہیں ہوئی اور نہ پہلے کسی دور میں ایسی صورتحال کا سامنا ہو تو علماو مجتہدین اپنی تمام کوششوں وصلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ایسے مناسب احکام کا استنباط فرماتے جو شریعت کے غیر متزلزل قواعد سے متصادم نہیں ہوتے تھے۔

اسلام نے اسے ائمہ مجتہدین پیدا کئے جن پر انسانیت بجا طور پر فخر ومباہات کا اظہار کرسکتی ہے، ان میں چار مشہور ائمہ مسلک وفن ہیں۔ اسلام میں ہمیشہ سے یہ صلاحیت ودیعت کی گئی ہے کہ وہ ایسے ائمہ پیدا کرے جن سے انسانیت کو قرار وسکون نصیب ہو اور سفینۂ حیات کو مصائب وآلام کے بھنور سے نجات پاکر ساحل مراد تک رسائی حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا نہ ہو۔

قرآن کریم، خاتم النبیین کا خاتمۃ المعجزات:

قرآن کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، بلکہ ایک اعتبار سے تمام انبیا کا معجزہ

not

ہے۔قرآن کریم کا نزول بعثت نبوی کے تمام عرصے پر محیط رہا،اور اپنے انوار و برکات سے قلب و جاں کو معطر کرتا رہا۔دیگر معجزوں کے برخلاف یہ ایسا معجزہ ہے جس کی اعجازی کیفیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی برقرار ہے،اور ایک امتیازی شان کی حامل ہے۔

بعد از بعثت ہر نبی کے ہاتھ پر ایسے خارق العادت امر کے ظہور کا التزام کیا گیا ہے جس کا عادتاً ان کے ہم جنس انسانوں سے تائید ایزدی کے بغیر ظاہر ہونا انتہائی ناممکنات سے ہوتا ہے۔یہ معجزہ آخری حجت و دلیل کی حیثیت سے اللہ جل شانہ کی طرف سے عطا کیا جاتا تھا۔یہ مادے و محسوسات کی قبیل سے ہوتے تھے،تا کہ اہل دعوت ان کا مشاہدہ کریں اور دعوت کی سچائی ثابت ہونے کے بعد اس کے حلقہ بگوش ہو جائیں۔علاوہ ازیں یہ معجزات اور خارق العادات امور حاضرین اور عینی شاہدین کے حق میں حجت اور دلیل کی حیثیت رکھتے تھے،تاہم جب نبی دار فرار سے دار قرار سدھار جاتے تو مشاہدہ کرنے والوں کی اگلی نسل کے پاس وہ معجزات قصوں اور کہانیوں کی شکل میں رہ جاتے تھے اور مرور زمانہ کی گرد میں دب کر ان کے حقیقی خدوخال مٹ کر رنگ آمیزی سے افسانوں کی شکل اختیار کر کے اگلی نسل کو منتقل ہوتے تھے۔بالفرض محال اگر تسلیم کر لیا جائے کہ تاریخی روایات میں یہ معجزات تحریف و رنگ آمیزی سے محفوظ رہتے تھے،تو بھی تاریخی حقائق اذعان و یقین کی وہ کیفیت پیدا کرنے سے عاری ہیں جو بچشم خود دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔

کسی دین و دعوت کے بارے میں اللہ جل شانہ کا فیصلہ ہوتا کہ وہ اپنے نبی کی عمر سے زیادہ عرصہ دنیا میں گذارے تو اس کے لئے طریقہ کار یہ اختیار کیا جاتا کہ پے در پے انبیا مبعوث کئے جاتے تھے،وہ حسی معجزات کے ذریعے اپنی نبوت ثابت کر کے اس دعوت و رسالت کی تبلیغ کرتے تھے،بنی اسرائیل کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔

اب محض تاریخی روایت کی بنا پر کسی سابقہ نبی کی نبوت پر ایمان ہمارے لئے واجب نہیں، اگرچہ وہ روایت متواتر یا روایۃ الابناء عن الاباء کی قبیل سے ہو۔بلکہ گذشتہ کسی بھی نبوت کی تصدیق کا معیار یہ ہے کہ قرآن میں تصریح موجود ہو یا زبان رسالت نے اس کی توثیق کی ہو۔شہرستانی فرماتے ہیں کہ ہر مکلف پر اللہ جل شانہ،ملائکہ،کتب سماویہ پر مطلقاً ایمان لانا واجب ہے،تاہم آپ صلی اللہ سے قبل تشریف لانے والے انبیاء و مرسلین پر قرآن و حدیث کی رو سے نام بنام ایمان لانا واجب ہے نہ کہ شخصاً شخصاً۔(۵۹)

رسالت خاتمہ کی نسبت تصریح کے ساتھ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفا ہوں گے نہ کہ نبی و رسول،چنانچہ یہ امر محال ہے کوئی نبی آئے اور لوگوں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

نبوت و رسالت پر ایمان کی تجدید کرے۔ جب خلفا لوگوں کا رشتہ آپ کی رسالت و نبوت، تعلیمات و شریعت سے مربوط رکھیں گے تو یہ امر ظاہر ہے کہ وہ معجزات کے صدور پر قادر نہیں ہیں، جو کہ اتمام حجت کا آخری مرحلہ ہے۔ لہٰذا ایک ایسے معجزے کی حاجت تھی جو مادی و حسی معجزات سے یکسر مختلف ہو، اس لئے کہ مادی و حسی معجزات وقوع کے بعد قلیل عرصے میں معدوم و ناپید ہو جاتے ہیں، اور مرورِ زمانہ سے ان کی چکاچوند اور تاثیر میں بھی فرق آتا ہے، لہٰذا ایسا معجزہ جس کی تاثیر، بقا اور مطمئن کرنے پر اس کی قدرت ہر زمانے میں شک و شبہ سے بالاتر ہو، رسالتِ خاتمہ کے لئے ازبس ضروری تھا۔

ان اوصاف کا حامل معجزہ وہی ہو سکتا تھا جو انسان کی درماندگی، بے طاقتی اور اللہ جل شانہ کی غیر متناہی قدرت کو واضح کرے۔ چنانچہ قرآن کی صورت میں یہ معجزہ نظر افروز ہوا، اس سے انسان کا تعلق ایسا ہی ہے جیسا حقیقت کا قانون سے اور فطرت کا اعلیٰ اقدار سے۔ یہ معجزہ ہر دور میں انسان کے بحیثیت انسان عجز و درماندگی پر برہانِ قاطع ہونے کے باوجود حریت و استقلال، عزتِ نفس و بزرگی کے وسیع آفاق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

اس معجزے کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انسان کے مادے میں محصور حواس ہی سے اس کا تعلق نہیں بلکہ اس کی اعلیٰ صلاحیتیں، قلب و دماغ براہ راست اس کے مخاطب ہیں۔ اور رہر اس وصف سے یہ عظیم کتاب خطاب کرتی گئی ہے، جس کے سبب انسان انسان ہے اور دوسری مخلوقات سے الگ وجداگانہ حیثیت کا حامل ہے، خواہ انسان کو خود اس کا ادراک ہو یا نہ ہو۔

اس قرآنی معجزے کا عربی خطۂ زمین میں وقوع یہ ثابت نہیں کرتا کہ یہ صرف دنیائے عرب کے لئے حجت ہے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین مخاطب اول ہونے کی بنا پر اس کے ساتھ تخصیص کا کوئی شائبہ رکھتے ہیں، اس خدشے کے امکان کو زائل کرنے کے لئے قرین مصلحت تھا کہ اس معجزے میں اعجاز کی وہ کیفیت ودیعت کی جاتی جس پر بنی نوع آدم ثقافت و مشرب میں اختلاف کے علی الرغم سرِ تسلیم خم کر دے اور قرآن اپنے معجزاتی اسلوب کے ذریعے ان کے دل و دماغ پر یوں گرفت کر لے کہ وہ گمان کریں کہ قرآن کا انہی پر نزول ہوا ہے اور وہی اس کے مخاطب اول ہیں۔

اعجاز قرآنی کے مختلف پہلو:

قرآن اپنی زبان میں بھی اعجازی شان لئے ہوئے ہے۔ عربی زبان دیگر زبانوں سے ادب،

اشتقاق، لغت وغیرہ میں فائق ضرور ہے مگر ذاتی اعتبار سے معجز نہیں، تاہم اللہ تعالیٰ نے اس میں وہ اعجاز سمودیا کہ عرب اہل لسان ہونے کے باوصف قرآن کی مثل کوئی کتاب یا اس کی سورۃ جیسی کوئی سورۃ لانے سے ہمیشہ عاجز رہے ہیں۔ عجز و درماندگی کی یہ کیفیت تمام نوع بشر پر محیط ہے، اس لئے کہ انسان بحیثیت انسان عربی ہو یا عجمی ایک سے اوصاف کا حامل ہے لہٰذا جب ایک خطے کے لوگوں پر کوئی امر ثابت ہو جائے تو دیگر افراد پر بھی اس کا تحقق ہوگا۔

زبان وبیان کے علاوہ قرآن میں اعجاز کے دوسرے پہلو بھی ہیں، ہر عہد کے لوگ فکری، ثقافتی اور علمی ترقی کی مناسب اشیا اسی معجزاتی کتاب میں پالیتے ہیں، جس سے اللہ شانہ کے اس فرمان کی تصدیق ہوتی ہے:

> ہم عن قریب ان کی اپنی نشانیاں ان کے گردو نواح میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے کہ وہ قرآن حق ہے۔(۶۰)

دعوت وجہاد کی ابدیت:

دین خاتم کے آخری پیغام الٰہی ہونے کی بنا پر گذشتہ ادیان پر غالب اور بنی نوع انسان سے اسی کے قبول آنے کے مطالبے کے باوصف اور اللہ کے ہاں اسی کے مقبول ہونے کی بنا پر ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ اور دین حنیف کی طرف دعوت صبح وشام خفیہ وعلانیہ طور پر قیامت تک جاری رہے۔ چنانچہ دعوت و تبلیغ کے پہلے مکلّف انبیا کرام قرار پائے۔

> ہم نے بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے، آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں۔(۶۱)

اور اللہ تعالیٰ نے اسلوب دعوت ومنہج تبلیغ کے قواعد خود وضع فرمائے اور ان پر عمل کی ترغیب دی۔

> سو آپ اسی کی طرف بلاتے رہیے اور جس طرح آپ کو حکم ہوا ہے مستقیم رہیے، اور ان کی خواہشوں پر نہ چلیں اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں، میں سب پر ایمان لاتا ہوں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان میں عدل رکھوں۔ اللہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی مالک ہے۔ ہمارے عمل ہمارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں۔ اللہ

not

ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کے پاس جانا ہے۔(۶۲)

آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے
بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔(۶۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا لب لباب اللہ تعالیٰ، سلامتی اور جنت کی طرف بلانا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ دار البقاء کی طرف تم کو بلاتا ہے۔(۶۴)

یہ لوگ دوزخ کی تحریض دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت و مغفرت کی تحریک دیتے
ہیں اپنے حکم سے، اور اللہ تعالیٰ اس لئے آدمیوں کو اپنے احکام بتلا دیتے ہیں
تاکہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں۔(۶۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد یہ دعوت کتاب و سنت کی صورت میں باقی رہی۔اس کی ترویج و اشاعت کا عمل ایسے افراد کے بغیر ممکن نہ تھا جو اپنے عیش و آرام کو تج کر اس دعوت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں۔آپ کی حیات میں اس منصب کے حامل صحابہ کرام تھے،آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفود وسرایا کی شکل میں بغرض تبلیغ و اشاعت دین انہیں بھیجتے تھے،سلیمان بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی بڑے یا چھوٹے لشکر پر جب امیر مقرر کرتے تو اسے اپنے رفقا کی بابت تقویٰ کی اور مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت فرماتے تھے۔پھر ارشاد فرماتے تھے:''جب تمہاری اپنے دشمن مشرکین سے مڈبھیڑ ہو تو اسے تین چیزوں کی دعوت دو،ان میں سے جو بھی اختیار کرلیں اسے قبول کرلو اور ان سے قتال نہ کرو،پھر انہیں اسلام کی دعوت دو اگر قبول لیں تو ان کے ساتھ قتال نہ کرو''(۶۶)

اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتی خطوط و مراسلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو دے کر اطراف و اکناف کے بادشاہوں اور امرا کے پاس جانے کی ہدایت فرمائی۔دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ کو قیصر روم،عبداللہ بن خدافہ سہمیؓ کو کسریٰ فارس،عروہ بن امیہ ضمریؓ کو نجاشی حبشہ،حاطب بن ابی بلتعہؓ کو سکندریہ کے حاکم مقوقس کی طرف بھیج کر دعوت و تبلیغ کا سنگ بنیاد رکھا۔علاوہ ازیں عمرو بن عاصؓ علاؤ بن خضرمیؓ، شجاع بن وھب اسدیؓ کو بھی قرب و جوار کی ریاستوں میں بھیجا گیا۔دین خاتم اور اس دعوت کے ہمیشہ باقی رہنے کا یہی بدیہی و منطقی تصور تھا،جس کی داغ بیل آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے ڈالی۔

اسلام میں اگر دعوت و تبلیغ کا ہر فرد کو پابند کرنے کی صراحت نہ بھی ہوتی تو یہ دعویٰ اس حکم کے استنباط کے لئے کافی تھا کہ یہ دین ابد الآباد تک رہنے کے لئے آیا ہے۔چنانچہ اس دعویٰ کا لازمی نتیجہ یہی

ہونا کہ اس دین کا حامل ہر فرد اسے پھیلانے کی تگ و دو میں مصروف عمل ہو اور دعوت وتبلیغ کے عمل کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالے۔ علاوہ ازیں اس امت کی خصوصیات و امتیازات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کے نبی کو اللہ جل شانہ کی طرف سے جس حکم کا پابند کیا جاتا ہے، بعد از استثنا چند خاص احکام اس کی یہ امت مکلّف ہوتی ہے۔ اور یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ امت پر بھی اس حکم کی بجا آوری ضروری ہے۔ ان مقدمات اور اس تفصیل کی ضرورت اس وقت پیش آتی جب نصوص اسلامیہ میں امت کو دعوت وتبلیغ کا حکم نہ دیا ہوتا، حالانکہ قرآن پاک میں صراحت سے اس امر کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

> تم بہترین امت ہو، وہ امت جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم لوگ نیک کاموں کو بتلاتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔(٦٧)

اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو دیگر امتوں پر گواہ بنایا ہے، بعینہ اس طرح جیسا کہ ہر نبی اپنی امت پر گواہ و شاہد ہے۔ اللہ جل شانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیا کی بابت ارشاد فرماتے ہیں:

> اور جس دن ہم ہر ہر امت میں ایک گواہ جو ان ہی میں سے ہوگا ان کے مقابلے میں قائم کریں گے اور ان لوگوں کے مقابلے میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے۔ اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے جو تمام باتوں کا بیان کرنے والا ہے اور مسلمانوں کے لئے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور خوشخبری سنانے والا ہے۔(٦٨)

اور خصوصیت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے:

> اور اس طرح ہم نے تمہیں ایسی امت بنایا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں کے مقابلے پر گواہ ہو اور تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں (٦٩)

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جابجا دعوت وتبلیغ کے عمل کی جانب رغبت دلائی ہے:

> اور اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں (٧٠)

نص صریح سے دعوت وتبلیغ کا مکلّف بناتے ہوئے فرمایا:

> اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضرور ہے کہ خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ

gopaise not

پورے کامیاب ہوں گے۔(۷۱)

دعوت وتبلیغ کے اوامر عام ہیں، ان کی عمومیت ہر فرد مسلم کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اور ہر فرد اس امر کا مکلّف ہے، خواہ یہ تکلیف عینی ہو یا کفائی۔ لہٰذا ہر فرد پر انفرادی طور پر اور اجتماعی سطح پر اس حکم کی بجا آوری ضروری قرار دی گئی ہے۔ فرد اسلام اور اسکے عقیدے کے بارے میں جتنا واقف ہے اس کی دعوت دے اور اسے پھیلانے کی کوششیں کرے، اور اجتماعی سطح پر بھی اس عمل میں شرکت سے پہلو تہی نہ کرے اور اپنی ذمہ داریوں کا بھرپور ادراک کرے۔ دعوت وتبلیغ کے عمل کو مئوثر وہمہ جہت بنانے کے لئے جو وسائل اور صلاحیتیں درکار ہیں، انہیں مہیا کیا جائے۔ اگر ان وسائل یا ایسے افراد میں کمی واقع ہو جائے تو امت پر بحیثیت امت واجب ہے کہ وہ ایسے افراد تیار کرے جو اس عمل کی ذمہ داری لیں اور انہیں تمام ضروری وسائل مہیا کئے جائیں، ان افراد کی صفات مذکورہ آیت میں بیان کی گئی ہے:

آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا طریق ہے میں خدا کی طرف اس طور پر بلاتا ہوں کہ میں دلیل پر قائم ہوں، میں بھی اور میرے ساتھ والے بھی۔(۷۲)

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے انس وجن کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں سے کہہ دیں کہ یہ میرا راستہ، علامت، مسلک ومشرب ہے، یہ راستہ تو حید ورسالت کی گواہی دینا اور ان پر صاد کرنا ہے۔ تو حید ورسالت کی یہ دعوت علی وجہ البصیرت، یقین و اذعان اور برہان عقلی وشرعی کے ساتھ متصف ہے۔ یہ اوصاف، یقین واعتماد کی یہ کیفیت اس عمل کی باگ دو ر سنبھالنے والوں کے لئے بھی از حد ضروری ہے۔

ذخیرۂ احادیث میں بھی اس عمل کی اہمیت، افادیت اور ضرورت پر کثرت سے زور دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بھی دعوت وتبلیغ کی اہمیت واضح فرمائی ہے۔ اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کی جھلک قرا صحابہ کے ان دعوتی وفود کی تفصیلات میں دیکھی جاسکتی ہے جنہیں مختلف اوقات میں اردگرد کے قبائل اور انکی ذیلی شاخوں کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ سربراہانِ مملکت سے خط وکتابت اور مراسلت صحابہ کرام کو ایک نئے انداز دعوت سے روشناس کرنے کی کوشش تھی۔ قائدین لشکر اور سرایا کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیا کرتے تھے کہ وہ سب سے پہلے اسلام کی دعوت دیں، بعد ازاں جہاد وقتال کریں۔ معاذ بن جبلؓ کو یمن کی جانب روانہ کرتے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر احکام کے علاوہ یہ نصیحت فرمائی:

تم عن قریب اہل کتاب کی کسی قوم کے پاس جاؤ گے، تو پہلے انہیں توحید و رسالت کی گواہی کی دعوت دو، اگر وہ اسے قبول کرلیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالی نے ان پر ہر دن و رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں، اگر وہ اسے بھی مان لیں تو انہیں آگاہ کرو کہ اللہ تعالی نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لے کے ان کے غریبوں اور فقرا کو دیا جائے گا۔(۷۳)

وفود اور جماعت کے علاوہ فرداً فرداً بھی صحابہ کرام کو بغرض تبلیغ دوسرے علاقوں میں بھیجا گیا۔ مقرئ المدینہ مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ روانہ کیا گیا، تا کہ وہ اہل مدینہ کو اسلام و قرآن کی تعلیم دیں اور مسائل و احکام سے آگاہ کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً بھی دعوت و تبلیغ دین کی جانب رغبت دلائی اور حکم دیا کہ ابلاغ و دعوت کا یہ عمل یوں ہی جاری و ساری رہنا چاہئے، زید بن ثابتؓ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نضر الله امرأ سمع مقالتي فبلغها، فرب حامل فقه الى غير فقيه، و رب حامل فقه الى من هو أفقه منه.

دعوت و تبلیغ کے دوران امام المبلغین صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی وجاہت اور شخصی کمالات کے باوجود جس طرح کی مشکلات پیش آتی تھیں۔ اسی طرح کی مشکلات اور رکاوٹیں مستقبل میں بھی متوقع تھیں۔ چنانچہ جہاد و قتال کی مشروعیت اسی نقطۂ نظر کی بنا پر عمل میں آئی ہے کہ دعوت و تبلیغ کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کا اس کے ذریعے قلع قمع کیا جائے، اور اس ڈھال کی حفاظت میں تبلیغ دین کے فریضے کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے۔

یہ ممکن نہیں کہ دعوت و تبلیغ کا امر ہو، مگر بدخواہوں اور کینہ پروروں سے اس کی حفاظت کا حکم نہ ہو! چنانچہ جن دلائل و شواہد سے دعوت و تبلیغ کی فرضیت و ابدیت ثابت ہوتی ہے انہی کی رو سے جہاد و قتال کی مشروعیت کا بھی ثبوت ہوگا۔

جہاد کی جولان گاہ وسیع ہونے کی بنا پر اس کی اقسام بھی متعدد ہیں۔ ہماری مراد جہاد بالنفس ہے، جس کو قتال سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، جہاد بالمال وغیرہ اس کے تابع اور اس کے ضمن میں شمار ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ جہاد بالنفس اور قتال کی جانب لفظ ''جہاد'' سے ذہن سبقت کرتا، اور اسی معنی کو سمجھتا ہے، اور یہی حقیقی معنی ہونے کی علامت ہے۔

قرآن اور احادیث کے ذخیرے میں جہاد سے متعلق، اس کی حساسیت اور ضرورت کے پیش نظر تمام معلومات، احکامات بہم پہنچا دیئے گئے ہیں، جن سے اس فریضے اور شعبے کی اہمیت وعظمت مترشح ہے۔ اسلام کے دیگر فرائض کی مانند جہاد کی طرف بھی بلا تخصیص رغبت دلائی گئی ہے اور فوز عظیم وفتح مبین کا مژدۂ جانفزا سنایا گیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

> "اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایسی سوداگری بتاؤں جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے بچا لے، تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے، اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کرے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں جو ہمیشہ رہنے کے باغوں میں ہوں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور ایک اور بھی ہے کہ تم اس کو پسند کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور جلد فتح یابی۔ اور آپ مؤمنین کو بشارت دے دیجئے۔ (۷۴)

اس برعکس فریضۂ جہاد سے جی چرانے اور راحت وتعیش کی طرف مائل ہونے والوں کے ساتھ تنبیہ وتوبیخ اور سرزنش کا رویہ اپنایا گیا ہے، ارشاد ہے:

> اے ایمان والو! لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کو لگ جاتے ہو، کیا تم نے آخرت کے عوض دنیاوی زندگی پر قناعت کر لی، سو دنیاوی زندگی کا تمتع تو کچھ بھی نہیں، بہت قلیل ہے۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم سخت سزا دے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کر دے گا اور تم اللہ کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے اور اللہ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔ (۷۵)

جہاد کا بنیادی و اساسی مقصد اعلائے کلمۃ اللہ، اسلام کی نشر و اشاعت اور عالم شہود کو اللہ تعالیٰ کے قانون و شریعت پر گامزن کرنا ہے۔ دفاع وطن اور مزاحمت ہی اس سے مقصود نہیں اور نہ مال غنیمت و دیگر مالی و مادی منفعتیں اس سے متصور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کھلے الفاظ میں مشروعیت جہاد کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

> اور تم ان سے اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو

جائے۔ پھر اگر یہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھتے ہیں۔ اور اگر روگردانی کریں تو یقین رکھو اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے۔ وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے۔(۷۶)

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جب یہ کفار کفریہ حرکتوں اور ریشہ دوانیوں سے باز آجائیں تو مغفرت کے مستحق قرار پائیں گے، اگر معاندانہ روش ترک نہ کریں تو ان کے ساتھ پہلوں کے طریقے پر عمل کیا جائیگا اور اگر ان حرکتوں پر اصرار کریں تو قتال کے ذریعے ان کی کج روی کی اصلاح کی جائے۔

کفار کے ساتھ قتال و جہاد کا سبب و علت ''فتنہ'' قرار پایا تو جب تک روئے زمین پر کفار کا تسلط اور حکمرانی برقرار رہے گی، یہ ''فتنہ'' برہنہ شمشیر کی مانند امن عالم کے سر پر لٹکتا رہے گا۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ کفار تمام امکانی وسائل بروئے کار لاکر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کے فتنوں کو جنم دے رہے ہیں، جن کی بنیاد ظلم و استحصال پر استوار ہے اور جن کا مقصد اپنے استعمار کو تا دیر قائم رکھنا ہے۔ ترقی پذیر ممالک کی ناگفتہ بہ حالت زار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کامیابی و کامرانی کی ہر راہ مسدود کرنا ان ظالم و جابر حکمرانوں کا وطیرہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے کی رو سے اسلام تا قیامت اس فریضے کی بدولت غالب و فتح یاب رہے گا، اگر دنیا کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی اس امت کے چند افراد اس فریضہ کو ادا کر رہے ہوں، اسی ضمن میں معاویہ بن قرہؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ فتحیاب رہے گی، ان کی امداد و اعانت سے دست کش ہونے والے انہیں ذرہ بھر نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ یہاں کہ قیامت آجائے۔(۷۷)

یزید بن اصم کہتے ہیں، میں نے معاویہ بن سفیانؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرتے سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ جل شانہ جس سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں اسے تفقہ فی الدین کی دولت سے نوازدیتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی ایک جماعت ہمیشہ حق کی خاطر برسر پیکار رہے گی اور اپنے مخالفین و معاندین پر غالب ہوگی۔(۷۸)

مذکورہ احادیث سے یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ فریضۂ جہاد میں نہ نسخ کا احتمال ہے نہ کسی قسم کی

not

کوئی تبدیلی ہوسکتی ہے۔اس میں افراط وتفریط کا شکار وہی ہوتے ہیں جن کے پیش نظر شخصی مفاد یا اسلام کو کمزور کرنے کا جذبہ ہوتا ہے۔

جہاد بالنفس اور جہاد بالمال پر ترغیب دلانے کے لئے بڑی مقدار میں آیات واحادیث موجود ہیں۔ہمارا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ مسلمانوں کو جہاد کا ہمیشہ کے لئے مکلّف و مامور بنایا گیا، چنانچہ اطلاق وعدم تخصیص کے باعث اس امر کا ثبوت ان احادیث سے بھی ہوتا ہے جن میں جہاد کی اہمیت، فضائل اور اس کی ترغیب دلائی گئی ہے۔

ذاتِ محمد ﷺ اور وصف ختم نبوت میں تطبیق:

درحقیقت سیرت نبویہ کا ہر باب آپ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر شاہد عدل ہے۔اس دعویٰ کی سچائی کا ادراک انہی کو ہوسکتا ہے جو نبوت کے معنی سے واقف اور انبیائے سابقین کی سیرتوں کا مطالعہ کرچکے ہیں۔اس مقالے میں سیرت نبویہ کا استیعاب مقصود نہیں، تاہم یہاں سیرت نبویہ کی چند جھلکیاں اور اقتباسات نذر قارئین کئے جائیں گے،ان سے مقصود اس امر کا اظہار ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ خاتم النبیین اپنے معنی ختم نبوت پر کس طرح منطبق ہے۔اس انطباق کی بعض علامتیں مادی ہیں،اور بعض معنوی یعنی وغیر محسوس علامات ونقوش میں آپ کے اسمائے گرامی شمار کئے جاتے ہیں،

امام مسلمؒ زہریؒ سے روایت کرتے ہیں،انہوں نے جبیر بن مطعمؓ کو اپنے والد سے روایت کرتے سنا،آپ صلی علیہ وسلم نے فرمایا:

> میں محمد واحمد ہوں، میں ''ماحی'' ہوں، جس کے ذریعے کفر مٹایا جائے گا، میں ''حاشر'' ہوں جس کے عقب میں لوگوں کا حشر ہوگا۔ میں ''عاقب'' ہوں، جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

ابوموسیٰ اشعریؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اپنے نام ذکر فرماتے رہتے تھے، چنانچہ کہتے:
>
> میں محمد، احمد، مقفی، حاشر، نبی الرحمہ اور نبی التوبہ ہوں۔(۷۹)

اسی طرح بعض مادی ومحسوس علامات ونقوش بھی آپ کی ذات میں ودیعت کئے گئے تھے،جن سے آپ کے خاتم النبیین ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔امام مسلمؒ نے جابر بن سمرہؓ سے روایت کی ہے،

فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کی پشت مبارک پر کبوتر کے انڈے جتنی مہر لگی دیکھی ہے۔

حاتم سے روایت ہے، فرماتے ہیں، میں نے سائب بن یزید کو کہتے سنا کہ

ایک مرتبہ میری خالہ مجھے رسول اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئیں، جب آپ کے حضور باریاب ہوئیں تو کہا: میرے بھانجے کے سر میں درد رہتا ہے تو آپ صلی اللہ نے میرا سر چھوا اور میرے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا میں نے وضو سے باقی ماندہ پانی پی لیا پھر میں آپ کی پشت کے پیچھے کھڑا ہوا تو میں نے آپ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی جو مثل زرّ الحجلۃ تھی۔

اسی مفہوم کی روایت عاصم بن عبداللہؓ سے بھی مروی ہے۔

علاوہ ازیں آپ کے دیگر معجزات مثلاً انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹنا شق قمر، پتھروں، نباتات وحیوانات کا کلام کرنا وغیرہ، جن کا ثبوت صحیح احادیث سے ہوتا ہے، کے سرسری جائزہ سے علم ہوتا ہے کہ آپ جامع المعجزات ہیں، آپ کے معجزات سابقہ انبیا کے معجزات کی آخری اور حتمی شکل ہیں۔ (۸۰)

ختم نبوت پر اس سے بڑھ کر دلیل کیا ہو سکتی ہے کہ آپ کو تمام مخلوقات کا نبی بنا کر مبعوث فرمایا گیا۔ جنات بھی آپ کی نبوت سے فیض یاب ہوئے، اور آپ کی طرف کھنچے چلے آئے، عالم جن میں تبلیغ کے آغاز کی کیفیت قرآن نے یوں بیان فرمائی:

اور جب کہ ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے تھے، غرض جب وہ لوگ قرآن کے پاس آپہنچے تو کہنے لگے کہ خاموش رہو۔ پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر پہنچانے کے لئے واپس گئے۔ کہنے لگے کہ اے بھائیو! ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، حق اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے بھائیو! تم اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر ایمان لے آؤ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا۔ اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کا کہنا نہ مانے گا تو وہ زمین میں ہرا نہیں سکتا اور خدا کے سوا اور کوئی اس کا حامی بھی نہ ہوگا، ایسے لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔ (۸۱)

سورۂ رحمٰن میں انس و جن کے لئے ایک صیغہ استعمال کیا گیا۔ اور قرآن میں انسانوں کی مانند جنات کے حساب و کتاب کے عمل سے گذرنے کا بھی ذکر ملتا ہے، (۸۲)

آپ کی نبوت کے عام ہونے کی بنا پر اللہ تعالٰی نے آپ کی ذات کے باعث رحمت ہونے کی انسانوں کے ساتھ تخصیص نہیں فرمائی، بلکہ "عالمین" کہہ کر تمام مخلوقات کو آپ کی آغوشِ رحمت میں سمو دیا۔

اور بے شک آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ (۸۳)

حافظ ابن کثیرؒ "رحمت" کی تفسیر کے ذیل میں ابو بردہؓ کی اپنے والد سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا:

> اللہ جل شانہ نے میری امت کے لئے دو امانیں مجھ پر نازل فرمائیں۔ ایک: (ارشادِ ربانی کہ) جب تک آپ ان میں ہوں گے انہیں اللہ جتلائے عذاب نہیں فرمائے گا اور دوسرے یہ کہ جب تک گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں گے اللہ تعالٰی انہیں عذاب نہیں دے گا۔ جب میں اٹھا لیا جاؤں گا تو ان میں قیامت تک کے لئے استغفار کا عمل چھوڑے جاؤں گا۔ (جس کے باعث انہیں میرے نہ ہونے باوجود عذاب نہیں ہوگا) (۸۴)

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ہی کا پرتو ہے کہ اللہ تعالٰی کا لطف و احسان موسلا دھار بارش کی طرف برس رہا ہے، اور قیامت تک رحمت کی اسی کیفیت میں ہر امتی بھیگتا رہے گا۔

آپ کی ذات کے فیض سے انبیا سابقین بھی بہرہ ور ہوئے، اسرا و معراج کی رات آپ کو آسمانوں پر بلایا گیا اور

> پھر وہ نزدیک آیا، پھر اور نزدیک آیا سو دو کمانوں کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اور بھی کم، پھر اللہ تعالٰی نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی جو کچھ نازل فرمانا تھی، قلب نے دیکھی ہوئی چیز میں کوئی غلطی نہیں کی، تو کیا ان سے اَن دیکھی ہوئی چیز میں نزاع کرتے ہو، اور انہوں نے اس فرشتے کو ایک اور مرتبہ بھی دیکھا ہے، سدرۃ المنتہٰی کے پاس، اس کے قریب جنت الماویٰ ہے، جب اس سدرۃ المنتہٰی کو لپٹ رہی تھیں جو چیز لپٹ رہی تھیں، نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی، انہوں نے اپنے پروردگار کے بڑے بڑے عجائبات دیکھے۔ (۸۵)

اللہ جل شانہ نے آپ کا ایک خاص وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ درجے پر فائز ہیں (۸۶)

اس آیت کی تفسیر آپ کی اس حدیث سے ہوتی ہے، جس میں آپ نے فرمایا کہ ''میری بعثت کی وجہ یہی ہے کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کروں''۔ بعض روایات میں ''حسن الاخلاق'' کے اور بعض میں ''صالح الاعمال'' کے الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ غایت سب کی ایک ہی ہے۔

تکمیل اخلاق ختم نبوت ہی کی شاخ ہے' اسلئے کہ اخلاق کی تکمیل کا مطلب ہی یہی ہے کہ اس میں کمی بیشی کی گنجائش نہیں، یہی وہ وصف ہے جسے۔عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یوں بیان فرمایا ہے، سعید بن ہشام کی روایت ہے:

میں نے کہا اے ام المومنین! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی بابت کچھ بتایئے! فرمایا: آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا: ضرور پڑھا، فرمایا: قرآن ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے۔

اس رسالت کا خاتمہ الرسالات اور اس نبی کا خاتم النبیین ہونا۔اس امر کا متقضی تھا کہ کینہ پروروں اور معاندین سے آپ کی حفاظت وصیانت کا مکمل ومحفوظ بندوبست کیا جائے، تاکہ دعوت وتبلیغ کا عمل خود حفاظتی کی تدابیر میں مشغول ہوکر تعطل کا شکار نہ ہوجائے۔برخلاف انبیائے سابقین کے، ان کی قومیں جس طرح انہیں جھٹلاتی تھیں۔ان کے قتل سے بھی دریغ نہ کرتی تھیں، بنی اسرائیل کی بابت ارشاد ہے:

ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان کے پاس بہت سے پیغمبر بھیجے، جب کبھی ان کے پاس کوئی پیغمبر ایسا حکم آیا جس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا۔سو بعضوں کو جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو قتل ہی کرڈالتے تھے۔(۸۷)

چنانچہ اس پس منظر کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کا بندوبست فرمایا:

اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے، اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔(۸۸)

اس آیت کے نزول سے قبل صحابہ کرامؓ باری باری آپ کی حفاظت اور نگرانی کا فریضہ انجام دیتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام پہرے اٹھا دیئے اور خود کو مسبب الاسباب کی

نگہداشت میں دے دیا۔مذکورہ آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے اپنی قدرت قاہرہ سے ایسا اسباب بہم پہنچائے، جن کے ذریعے آپ ﷺ سردارانِ مکہ کے حسد،بغض عناداور عداوت سے محفوظ و مامون رہے۔چنانچہ ابتدائے اسلام میں آپ کے چچا ابو طالب، جن کا شمار عرب کے مقبول رہنماؤں میں ہوتا تھا، کے دل میں آپ کی طبعی محبت و عظمت پیدا فرما کر آپ کی حفاظت کا سامان کیا۔بعدازاں انصارِ مدینہ کو آپ کی حفاظت کے لئے منتخب فرمایا،اور بلاشبہ انہوں نے انتخاب کا حق ادا کر دیا اور کسی بدخواہ کو آپ کے قریب پھٹکنے نہیں دیا۔علاوہ ازیں جب کبھی کسی مشرک یا منافق کی جانب سے ایذا رسانی کی کوشش تھی، اللہ جل شانہ نے اپنی قدرت سے اس کا قلع قمع کیا، جیسا کہ ایک مرتبہ یہود نے جادو ٹونے کے ذریعے آپ پر سحر پھونک دیا تو اللہ تعالیٰ نے معوذتین اتار کر اس کا سدِ باب فرمایا۔خیبر کے یہودیوں نے دورانِ دعوت زہر دینے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے اس بھی آپ کی حفاظت فرمائی۔

علاوہ ازیں آپ کے خاتم النبیین ہونے کی بنا پر بہت سی ایسی چیزیں اور احکام دیئے گئے جو آپ سے قبل کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے، ان کا مقصد ختم نبوت کے امتیاز کو خوب واضح کرنا تھا آپ ﷺ نے فرمایا:

أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "أُعطيت خمسالم يعطهن أحد قبلي، نصرت بالرعب مسيرة شهر، وجعلت لي الأرض مسجدا وطهورا، فأيمار جل من امتيي أدركتهُ الصلاة فليصل، وأحلت لي المغانم ولم تحل لأحد قبلي، واعطيت الشفاعةُ وكان النبي يبعث إلى قومه خاصة وبعثت إلى الناس عامةً۔(۸۹)

مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے قبل کسی کو عطا نہیں ہوئیں، ایک مہینے کی مسافت سے دشمنوں پر رعب و دبدبے سے میری مدد کی گئی۔زمین میرے لئے مسجد بنائی گئی، میری امت کا کوئی فرد جہاں بھی نماز کا وقت پالے وہیں نماز ادا کردے۔مالِ غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا، جبکہ مجھ سے قبل کسی کے لئے حلال نہ تھا اور مجھے شفاعت دی گئی۔اور پہلے نبی صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں اقوامِ عالم کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں۔

حوالہ جات

۱۔ سورۂ شوریٰ، آیت ۵۱
۲۔ سورۂ ہود، آیت ۳۱
۳۔ سورۂ مطففین، آیت ۲۶
۴۔ سورۂ محمد، آیت ۴۳
۵۔ سورۂ مطففین، آیت ۲۵
۶۔ سورۂ احزاب، آیت ۴۰
۷۔ ترمذی ۳/۳۳۸، ابن ماجہ ۲/۱۳۰۴،
۸۔ مسلم ۱/۱۸۵، بخاری ۶/۱۰۶،
۹۔ بخاری ۵/۲۰۶، مسلم ۳/۱۴۸۱،
ابن ماجہ ۱/۹۰۹
۱۰۔ مسلم ۱/۳۸۰،
۱۱۔ بخاری ۶/۳، مسلم ۴/۱۸۷،
۱۲۔ مستدرک حاکم ۴/۳۹۱
۱۳۔ بخاری ۴/۲۲۶، مسلم ۴/۱۷۹۱
۱۴۔ بخاری ۴/۲۴۴، مسلم ۴/۲۳۰
۱۵۔ ابن ماجہ ۲/۱۳۹
۱۶۔ مسلم ۲/۱۰۱۳
۱۷۔ بخاری ۹/۲۵۱
۱۸۔ ایضاً، ص ۱۲۵
۱۹۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الفصل فی الملل والنحل لابن حزم، ۱/۱۶
۲۰۔ سورۂ قصص، آیت ۸۶
۲۱۔ (ENCYCLOPEDIA OF RELIGION AND ETHICS, VOL.10, P.383)
۲۲۔ سورۂ انعام، آیت ۱۴۴
۲۳۔ سورۂ آل عمران، آیت ۳۳
۲۴۔ سورۂ مریم، آیت ۳۳
۲۵۔ سورۂ آل عمران، آیت ۳۵۔۳۷
۲۶۔ مسلم ۴/۷۸۲،
۲۷۔ سورۂ بقرہ، آیت ۳۰
۲۸۔ ایضاً، آیت ۳۸۔۳۹
۲۹۔ سورۂ نحل، آیت ۳۶
۳۰۔ سورۂ انعام، آیت ۱۱
۳۱۔ سورۂ آل عمران، آیت ۹۳
۳۲۔ سورۂ انعام، آیت ۱۳۶
۳۳۔ سورۂ نساء، آیت ۱۶۰۔۱۶۱
۳۴۔ سورۂ نحل، آیت ۱۲۴
۳۵۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۶۳
۳۶۔ سورۂ آل عمران، آیت ۵۰
۳۷۔ سورۂ حجر، آیت ۷
۳۸۔ سورۂ زخرف، آیت ۵
۳۹۔ سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۲۳۔۱۲۴
۴۰۔ سورۂ مائدہ، آیت ۳
۴۱۔ سورۂ نساء، آیت ۱۶۵
۴۲۔ سورۂ توبہ، آیت ۳۳/ص ۹
۴۳۔ سورۂ مائدہ، آیت ۸۴
۴۴۔ سورۂ سبا، آیت ۲۸
۴۵۔ سورۂ اعراف، آیت ۱۵۸
۴۶۔ سورۂ روم، آیت ۳۰
۴۷۔ بخاری ۲/۱۱۸
۴۸۔ سورۂ اسراء، آیت ۱۰۵
۴۹۔ سورۂ حدید، آیت ۹
۵۰۔ سورۂ اسراء، آیت ۸۳
۵۱۔ سورۂ نحل، آیت ۸۹
۵۲۔ سورۂ یوسف، آیت ۱۱۱
۵۳۔ سورۂ توبہ، آیت ۱۸۵
۵۴۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۸۶

۵۵۔ ابن ماجہ۶۵۹
۵۶۔ ابن ماجہ۱/۶۵۹
۵۷۔ سورۂ نحل، آیت ۱۰۵۔۱۰۶
۵۸۔ مسلم۳/۱۲۰۸
۵۹۔ نہایۃ الاقدام/ص۳۳۶
۶۰۔ سورۂ فصلت، آیت ۵۳
۶۱۔ سورۂ احزاب، آیت ۴۵۔۴۶
۶۲۔ سورۂ شوریٰ، آیت ۵۱
۶۳۔ سورۂ نحل، آیت ۱۲۵
۶۴۔ سورۂ یونس، آیت ۵۲
۶۵۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۲۱
۶۶۔ مسلم۳/۱۳۵۷، ابن ماجہ۲/۹۵۳
۶۷۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۱۰
۶۸۔ سورۂ نحل، آیت ۸۹
۶۹۔ سورۂ بقرہ، آیت ۱۴۳
۷۰۔ سورۂ فصلت، آیت ۳۳
۷۱۔ سورۂ آل عمران، آیت ۱۰۴
۷۲۔ سورۂ یوسف، آیت ۱۰۸
۷۳۔ مسلم۲/۵۰
۷۴۔ سورۂ صف، آیت ۱۰تا۱۳
۷۵۔ سورۂ توبہ، آیت ۳۸۔۳۹
۷۶۔ سورۂ انفال، آیت ۳۹۔۴۰
۷۷۔ ابن ماجہ۱/۹۵، بخاری۹/۲۵، مسلم۳/۱۵۲۳
۷۸۔ مسلم۳/۱۵۲۴
۷۹۔ مسلم۴/۱۸۲۸۔۱۸۲۹
۸۰۔ تفصیل کے لئے دیکھئے، بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام، ج۴/۲۳۲، مسلم باب معجزات النبی
۸۱۔ سورۂ احقاف، آیت ۲۰تا۲۲
۸۲۔ سورۂ انعام، آیت ۱۲۸تا۱۳۰
۸۳۔ سورۂ انبیا، آیت ۱۷
۸۴۔ سورۂ انفال، آیت ۳۳
۸۵۔ سورۂ نجم، آیت ۱۶تا۱۸
۸۶۔ سورۂ قلم، آیت ۳
۸۷۔ سورۂ مائدہ، آیت ۷۰
۸۸۔ ایضاً، آیت ۶۷
۸۹۔ بخاری۱/۹۱

اسلامی اقتصاد کے چند پوشیدہ گوشے

علامہ الاستاذ محمد طاسین رحمۃ اللہ علیہ

صفحات: ۳۵۶۔ قیمت: ۱۰۰روپے

پتہ : گوشۂ علم تحقیق، اے۔۲۰۱، کیتانہ سینٹر، بنوری ٹاؤن کراچی

فون : ۰۳۰۲۔۶۲۱۰۳۸۸